جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

بانی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر

سید احمد خضر شاہ مسعودی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: محدثِ عصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

جامعۃ امام محمد انور شاہ دیوبند کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

سلسلہ ۲۰۳	شمارہ: ۶	جلد ۲۳	جنوری ۲۰۲۶

بانی: فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر: سید احمد خضر شاہ مسعودی

نائب مدیر

مولانا سید فضیل احمد ناصری
08881347125
سید حمدان شاہ مسعودی

اشتراک وتعاون

اندرونِ ملک:
فی شمارہ -/30 سالانہ -/360
خصوصی -/1000
تاحیات -/6000

بیرونِ ملک:
سالانہ: 20 امریکی ڈالر
خصوصی: 100 امریکی ڈالر
تاحیات: 500 امریکی ڈالر

نگران ترسیل

مولانا ابوطلحہ اعظمی
09997504588

شائع کردہ: جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند 247554 (یوپی)
موبائل (مدیر): 08006075484
ای میل: ahmadanzarshah@gmail.com

ورق در ورق

صریر خامہ

عصریات

سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

13 / 14 / دسمبر 2025 کو دارالعلوم وقف دیوبند میں امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ کی شخصیت اور افکار و خدمات پر ایک دو روزہ سیمینار منعقد ہوا۔ یہ سیمینار کئی اعتبار سے اہم، ہمہ جہت اور تاریخی تھا۔ پانچ نشستوں پر مشتمل اس وقیع سیمینار میں جہاں ارباب قلم و اصحاب تحقیق جمع ہوئے وہیں دنیائے علم و فضل کی مستند شخصیات بھی شریکِ بزمِ ہوئیں۔ علم و دانش کی کہکشاں جس طرح جلوہ بار ہوئی وہ اپنے آپ میں ایک مثالی واقعہ تھا۔ پختہ اور تجربہ کار اصحاب قلم کے ساتھ نوجوان اور تازہ وارد خامہ گیروں کا ایسا حسین امتزاج، جس نے سیمینار کی عظمت و وقعت کو المضاعف کر دیا۔ پھر اکابر علما کی آمد نے جو سماں باندھا وہ اس گہر بار تقریب کے ماتھے کا جھومر ثابت ہوا۔ اس کے ساتھ مختلف مکاتب فکر کے نمایاں مفکرین، مختلف علمی تنظیموں کے سربراہ اور قدآور علما کی موجودگی سے اس کی دلکشی اور معنی آفرینی نور علی نور۔ ظاہر ہے کہ یہ جہاں کشمیری الامام کی سحر طراز اور سدا بہار شخصیت کی کارفرمائی تھی وہیں ارباب انتظام بالخصوص برادر گرامی قدر مولانا محمد سفیان قاسمی مدظلہ اور ان کے جواں سال، بلند ہمت اور جواں جذبات فرزند عزیزم مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی سلمہ استاذ دارالعلوم وقف دیوبند کے حسن انتظام اور سلیقۂ ضیافت کا خوش گوار ثمرہ بھی۔ ان کی شبانہ روز کاوشوں سے یہ علمی مجالس مقبولیت کی معراج کو پہونچیں۔ یہ سیمینار دنیا بھر میں برقی لہروں کے ذریعے دیکھا گیا۔ جس نے بھی دیکھا، اس کی زبان سے تحسین و آفریں کی صدائے دل نواز بلند ہوئی۔ ہر اعتبار سے انتہائی شاندار، باوقار اور اعلیٰ ثابت ہوا۔ مقالہ نگاروں نے جہاں اپنے ذوق تحقیق اور وسعت مطالعہ کا ثبوت دیا وہیں انتظامیہ نے بھی ان کی خاطر تواضع میں کوئی کمی نہیں کی۔ مہمانوں کے تاثرات بھی اس کی عظمت اور وقعت پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہیں۔

البتہ سیمینار کی مناسبت سے بعض محققین کی جانب سے کچھ ایسی چیزیں سامنے آئیں جن کی توضیح و تنقیح بصد احترام ضروری تھی، چناں چہ خاکسار نے موقع پر ہی اپنی معلومات کے مطابق اس کی توضیح کردی۔ قصۂ زمیں بر سرِ زمیں۔ ایک بات یہ تھی کہ امام العصر علامہ کشمیریؒ نے مظاہر علوم سہارنپور میں بھی تعلیمی ایام گزارے ہیں۔ وہ

بھی کئی سال۔ یہ وہ انکشاف تھا جس نے جملہ اہل علم ودانش کو چونکا کر رکھ دیا۔اس انکشاف کو میں نے اپنے والد مرحوم فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری قدس سرہ سے کبھی نہیں سنا، نیز والد گرامی کی شہرۂ آفاق کتاب ''نقش دوام'' میں بھی اس کا کوئی تذکرہ موجود نہیں۔کسی بھی سوانح نگار اور مقالہ نویس نے اس طرح کی کوئی بات کبھی نہیں لکھی،اس لیے یہ موقف محتاج ثبوت ہونے کے ساتھ تحقیق کا دلچسپ موضوع ہے۔اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ علامہ کشمیری کی ولادت 1292ھ میں ہوئی اور 1314ھ میں دارالعلوم سے ان کی فراغت ہوئی۔فراغت کے بعد سیدھے مدرسہ امینیہ دہلی چلے گئے۔تو پھر انہوں نے کب اور کس طرح مظاہر علوم میں داخلہ لیا اور وہاں دو سال یا اس سے زیادہ گزارے؟ ایک موقف یہ بھی پیش کیا گیا کہ امام کشمیری دیوبند سے قبل ہزارہ سے علمی تشنگی بجھانے کے بعد فرنگی محل لکھنؤ چلے گئے اور وہاں علم حاصل کرنے کا ارادہ کیا،لیکن جب محسوس ہوا کہ ان کی پیاس یہاں نہیں بجھے گی تو وہ دارالعلوم دیوبند پہونچ گئے اور حضرت شیخ الہند کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ یہ موقف بھی تحقیق طلب ہے اور علامہ کشمیریؒ پر کام والے محققین کے لئے حیرت انگیز۔امام کشمیریؒ کی شخصیت سے کئی ایسے واقعات اور چیزیں منسوب ہیں جن میں کوئی واقعیت اور حقیقت نہیں۔مثلاً ایک تصویر سوشل میڈیا پر ہمیشہ زیرِ گردش رہتی ہے،جس کے بارے میں بڑے ہی وثوق سے کہا جاتا ہے کہ یہ امام العصر علامہ کشمیریؒ کی تصویر ہے،جبکہ اس یگانۂ روزگار کی تصویر کہیں پائی نہیں جاتی۔ والد گرامی حضرت شاہ صاحب اپنے والد کے انتہائی محب تھے۔ جہاں معلوم ہوتا کہ فلاں جگہ علامہ کشمیریؒ کے دیکھنے والے موجود ہیں، بے تابی کے ساتھ پہونچتے اور جاتے ہی معلوم کرتے کہ والد صاحب کا حلیہ کیا تھا؟ رنگ، خدوخال کیسے تھے؟ان کی جبینِ مبارک کا طول وعرض کیا تھا؟ان کا قدوقامت کیا تھا؟ان کا رنگ وروپ کیا تھا؟ بعض لوگوں سے جب یہ معلوم ہوا کہ فلاں صاحب کے پاس تصویر ہے تو لپک کر وہاں گئے، لے کر آئے اور مختلف شاگردوں کو دکھایا تو سب نے منع کر دیا۔اسی طرح ایک واقعہ ''نورالایضاح'' کا بھی ہے کہ علامہ کشمیریؒ مصر کے کتب خانے میں گئے، وہاں اس کا ایک بار بالاستیعاب مطالعہ کیا، ہندوستان آئے اور اسے اپنے حافظے کی مدد سے کاغذ پر نقل کر دیا۔ یہ واقعہ بھی غلط اور حقیقت کے خلاف ہے۔علامہ کشمیری کبھی مصر کے سفر پر نہیں گئے۔

القصہ یہ سیمینار ایک زریں تاریخ رقم کر گیا،علامہ کشمیریؒ کی شخصیت کے بہت سے اچھوتے پہلو اور مستور گوشوں سے نقاب کشائی ہوئی اور شائقین علم ودانش کے لئے علامہ کے کارناموں اور شخصیت پر نئے عناوین سامنے آئے جن کو اہل تحقیق اپنا موضوع بنا کر علمی سوغات پیش کریں گے،ان شاءاللہ۔

باری تعالیٰ عزاسمہ محترم مولانا محمد سفیان قاسمی،مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی اور ان کے اعوان وانصار کو اجر جزیل عطا فرمائے۔

……◆……

سیمینار کے انعقاد کے موقع پر جامعہ کے ارباب انتظام نے فیصلہ کیا کہ اس تقریب کی مناسبت سے جامعہ کی طرف سے بھی کچھ کتابوں کی طباعت اور رسم اجرا ہونی چاہئے ، چنانچہ ماہ نامہ محدث عصر کا خصوصی شمارہ بھی تیار کرنے کا فیصلہ کیا، جس میں امام العصر علامہ کشمیری کی سیرت طیبہ، ان کی علمی خدمات اور ان کے افکار ونظریات کو جمع کیا جائے ، چناں چہ وہی کیا گیا اور 13 / دسمبر کو سیمینار میں تشریف لائے ہوئے مقالہ نگاروں کو عشائیہ پر مدعو کیا گیا۔ عشائیہ سے پہلے ایک مختصر سی تقریب منعقد ہوئی ، جس میں طے شدہ پروگرام کے مطابق چار کتابوں کا اجرا عمل میں آیا۔ ان میں سے ایک کتاب ’’اقوال امام العصر‘‘ ہے۔ امام کشمیری کے ممتاز ترین شاگرد اور خویش حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ کی مرتب کردہ ’’ملفوظات محدث کشمیری‘‘ کی افادیت اور اس کی زبردست مقبولیت کے پیش نظر تقاضا تھا کہ اسے عربی زبان میں بھی منتقل کیا جائے تاکہ علامہ کے نادر علوم وعمیق افکار سے عالم عرب بھی آشنا ہو۔ اگرچہ عالم عرب امام کشمیری کے نام اور کام سے قطعاً نا آشنا نہیں۔ فیض الباری اور دوسری کئی کتابیں اقطاع عرب میں پہلے ہی سے کافی متعارف ہیں۔ مشہور شامی عالم وفقیہ عبدالفتاح ابوغدہ نے عربی میں ایک کتاب ’’تراجم ستة من فقهاء العالم الاسلامی‘‘ لکھی، جس میں امام کشمیری کی زندگی پر بھی مبسوط مقالہ لکھا۔ یہ تحریر اس کتاب کا اولین مضمون ہے۔ تاہم ملفوظات محدث کشمیری اپنے بلند پایہ علوم ومعارف اور انفرادیت کی وجہ سے اس کی متقاضی تھی کہ اسے بہ زبان عربی بھی پیش کیا جائے ، جس کا سہرا دارالعلوم دیوبند کے مؤقر استاد مولانا ساجد ہردوئی زید مجدہم کے سرجاتا ہے۔ دوسری کتاب ’’انوار الودود‘‘ ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ امام کشمیری نے ایک زمانے تک دارالعلوم میں ابوداؤد شریف کا بھی درس دیا، جس کے کئی امالی منصہ شہود پر آچکے ہیں۔ انوار المحمود، انوار المسعود، امالی علی سنن ابی داؤد جیسی کتابیں اسی درس سے متعلق ہیں۔ عرصہ سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ علامہ کے دروس ابوداؤد اور دوسرے دروس سے استفادہ کرکے ابوداؤد شریف کی باقاعدہ عربی شرح تیار کی جائے۔ قرعۂ فال جواں سال فاضل مولانا محمد صغیر پرتاب گڑھی زید مجدہم، استاذ جامعہ امام محمد انور شاہ کے نام نکلا۔ ’’انوار الودود‘‘ کے نام سے انہوں نے تسوید وتبییض شروع کردی۔ کئی سالہ جدو جہد کا نچوڑ الحمدللہ آچکا ہے۔ یہ اس کی پہلی جلد ہے، جو کتاب الطہارت پر مشتمل ہے۔ تیسری کتاب ماہ نامہ محدث عصر کا خصوصی شمارہ ہے۔ یہ شمارہ ساڑھے چار سو صفحات پر محیط ہے۔ جدید وقدیم مضامین کا حسین گلدستہ اور علمی سوغات۔ چوتھی کتاب ’’نقش دوام‘‘ ہے جو فخر المحدثین حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے گوہر بار قلم سے ہے۔ اس کتاب میں شاہ صاحبؒ نے اپنے والد کے احوال وکوائف اور ان کی علمی داستان و انفرادیت کے واقعات کو اس طرح پیش کیا ہے کہ اسم بامسمی ہوگئی۔ 50 سال سے زیادہ اس تصنیف کو ہوگئے ، اور 19 ایڈیشن آنے کے باوجود بحمداللہ اس کی دل کشی ہنوز برقرار ہے۔ اس کے تازہ ایڈیشن کا بھی اس مجمع میں

اجرا ہوا۔ امید ہے کہ مستقبل قریب میں فخر المحدثین حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری قدس سرہ کی حیات وخدمات پر سیمینار ہوگا، جس میں کئی اہم کتابیں منصۂ شہود پر آئیں گی، ان شاء اللہ۔

……◆……

ان دنوں بہار بدترین بحران سے گزر رہا ہے۔ شہریوں کے مکانات بلڈوز کیے جا رہے ہیں۔ خوف اور دہشت کا ایک ماحول ہے۔ سردی کا موسم، اور یہ خانماں خرابی۔ بادِ زمہریر کے آزار سے پریشان یہ عوام کہاں جائیں اور کیا کریں؟ اطہر حسین کی موب لنچنگ کا دردناک واقعہ بھی بہار کی پیشانی پر بدنما داغ بن چکا۔ ملک میں موب لنچنگ کا یہ منحوس سلسلہ 2015 میں شروع ہوا اور اس کے بعد سے یہ عفریت مسلسل دہشت پھیلا رہا ہے۔ کب تھمے گا کہنا مشکل ہے۔ اپوزیشن چیخ چیخ کر تھک چکی۔ شہری فریاد کر کر کے بیٹھ گئے۔ نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ لوگ سفر سے ڈر رہے ہیں، مگر شکم پروری کا کیا کیا جائے! ادھر قاتلین کمین گاہوں میں ہیں۔ عجیب پر ہول سماں ہے۔ ستم بالائے ستم یہ کہ میڈیا خاموش ہے۔ تعصب اور جانب داری کی انتہا۔ جب کوئی مسلمان دہشت گردی میں گرفتار ہو تو یہی میڈیا کتنا شور وغل اور طوفان برپا کرتا ہے اور کیا کیا گل کھلاتا ہے۔ پتہ نہیں اسے نیند کیسے آجاتی ہے!

یہ واقعات نتیش کمار کی ناکامیاں عیاں کر ہی رہے تھے کہ حجاب نوچنے کے مسئلے نے آگ پر گھی کا کام کیا۔ اس پر انہیں شدید مخالفتوں اور بدترین ملامتوں کا سامنا ہے۔ 15 / دسمبر کو انہوں نے ڈاکٹری کا تقرری نامہ دینے کے لیے تقریب منعقد کی۔ مسلم خاتون ڈاکٹر تقرری نامہ لینے گئی تو اس کے چہرے پر حجاب تھا اور چہرہ مکمل ڈھکا ہوا۔ نتیش کمار نے چہرے سے نقاب کھینچ ڈالا، جس سے چہرہ کھل گیا۔ یہ شرمناک حرکت کچھ اس انداز میں ہوئی کہ دیکھتے ہی دیکھتے ملکی اور انٹرنیشنل میڈیا میں ایک آگ سی لگ گئی۔ نتیش کمار کی ہر طرف تھو تھو ہونے لگی۔ ان کے خلاف ملک اور بیرون ملک میں احتجاج ہوا۔ ان کا پتلا پھونکا جانے لگا۔ ان کی تصویروں کو پیروں سے روندا گیا۔ حزب اختلاف نے تو ان کے استعفیٰ کا مطالبہ بھی کر ڈالا۔ ایک آئینی عہدے پر اور صوبے کے سب سے بڑے منصب پر بیٹھے ہوئے شخص کی یہ نازیبا حرکت نہایت تکلیف دہ، سوہان روح اور اخلاق سوز ہے۔ افسوس کہ بہار کا یہ چودھری استعفا تو کیا دیتا، معافی بھی نہیں مانگی۔ کہاں گئی انسانیت؟ کہاں سو گیا ان کا ضمیر؟ اس حیاباختہ عمل نے ان کی رہی سہی ساکھ بھی ختم کر دی۔ اس گھناؤنے عمل کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔

حیرت تو اس پر بھی ہے کہ ان کی جماعت کے افراد بجائے اس کے کہ اپنے رہ نما کی کرتوت پر معذرت کرتے، دل کو اور دکھا گئے۔ خدا معلوم انہوں نے سیاست کا مطلب کیا سمجھا ہے! یاد رکھیے کہ یہ ظلم ہے۔ اور ظلم مہلت تو دیتا ہے، مگر انتقام لے کر رہتا ہے۔ اللہ کی لاٹھی میں آواز نہیں ہوتی۔

……◆……

ماہِ رجب سے متعلق فضائل واحکام قرآن وحدیث کی روشنی میں

مولانا محمد طیب حنیف

اللہ رب العزت نے اپنی تمام مخلوق میں انسان کو اشرف واکرم بنایا، اس کی فطرت میں نیکی وبدی، بھلائی وبرائی، تابعداری وسرکشی اور خوبی وخامی دونوں ہی قسم کی صلاحیتیں اور استعدادیں یکساں طور پر رکھ دی ہیں۔ نیز انسانوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت بخشی، بعض کو رفعِ درجات سے نوازا تو کسی کو اپنے سے ہم کلامی کا شرف عطا کیا۔ اسی طرح دیگر مخلوقاتِ عالم میں فرقِ مراتب کا لحاظ رکھا، چنانچہ زمین وآسمان، انس وجن میں تفاوتِ مراتب نمایاں ہے۔ اسی طرح مہینہ وایام میں بھی بعض کو جزوی فضائل کے لحاظ سے مقدم رکھا ہے، اسی بنا پر قمری مہینہ رجب کو بعض پہلوؤں کے لحاظ سے دیگر مہینوں سے امتیاز حاصل ہے۔ ذیل میں ماہِ رجب کے متعلق چند فضائل واحکام پیش خدمت ہیں:

’’رجب‘‘ کی وجہ تسمیہ

علامہ عبدالرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ’’سمي الشهر رجب رجبا؛ لأنهٔ يترجب؛ أي: يتكثر ويتعظم فيه خير كثير لشعبان ورمضان‘‘ (فيض القدير للمناوي، رقم الحديث: ۴۷۱۸، المكتبة التجارية الكبرى، مصر، ۴/۱۱۳)

عربوں میں بطور صیغہ یوں استعمال کیا جاتا ہے: ’’رجب فلانا أي هابه وعظمه‘‘: عربوں میں اس مہینہ کی عظمت وتقدس کے سبب اس کو ’’رجب‘‘ سے تعبیر کیا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ عربوں میں اس کو ’’رجب الأصم‘‘ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا تھا، جس کا معنی یہ ہے کہ اس ماہ کی عظمت وتقدس کی وجہ سے غیر مسلم بھی اس میں جنگ وحرب سے خود کو باز رکھتے تھے، نیز اس ماہ میں ’’یا قوماہ ویا صباحاہ‘‘ جیسی ایمرجنسی کی صدائیں بلند کرنے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ (لسان العرب: ۱/۴۱۳، دارصادر، بیروت)

اس کی تائید ایک مرفوع روایت سے بھی ہوتی ہے:

’’إن رجب شَہْرُ اللهِ، وَيُدْعَى الأَصَمَّ، وَكَانَ أہْلُ الْجَاہِلِيَّةِ إِذَا دَخَلَ رَجَبُ يُعَطِّلُوْنَ أَسْلِحَتَہُمْ وَيَضَعُوْنَہَا، فَكَانَ النَّاسُ يَأمَنُوْنَ وَتَأمَنُ السُّبُلُ، وَلَا يَخَافُوْنَ بَعْضُہُمْ بَعْضًا حَتّٰى يَنْقَضِيَ۔‘‘ (-شعب الإيمان للبيہقي، فصل، حديث: ۳۵۳۲، مكتبة الرشد للنشر والتوزيع: ۵/۳۳۸)

’’بلاشبہ ماہ ’’رجب‘‘ کو اللہ رب العزت کی جانب سے ایک خاص نسبت حاصل ہے، اس کو ’’رجب الأصم‘‘ کے نام سے پکارا جاتا ہے، جاہلیت کے دور میں بھی اس مہینہ کے آغاز پر ہر دو فریق اپنے ہتھیار ڈال کر خود کو جنگ وقتال سے باز رکھتے تھے، اور اس مہینہ میں امن واطمینان سے زندگی بسر کرتے تھے، جس سے راستے بھی پُر امن ہو جاتے تھے، اس مہینہ کے اختتام تک کسی قسم کا خوف وخطر باقی نہ رہتا تھا۔‘‘

رجب الاصم کہنے کی وجہ

اس حوالہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک موقوف روایت ہے:

’’وَسُمِّيَ أَصَمَّ؛ لأَنَّ الْمَلَائِكَةَ تُصَمُّ أَذَانُہَا؛ لِشِدَّةِ ارْتِفَاعِ أَصْوَاتِہَا بِالتَّسْبِيْحِ وَالتَّقْدِيْسِ۔‘‘ (فضل رجب لابن عساكر، رقم الحديث : ۸، مؤسسة الريان بيروت، فضائل شہر رجب للخلال، رقم الحديث :۱۳، دار ابن حزم: ۱/۶۹)

’’اس ماہِ رجب کو ’’الأصم‘‘ کے ساتھ موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ فرشتوں کی تسبیح وتقدیس کی بلند صداؤں کی وجہ سے گویا لوگوں کے کان بہرے ہو جاتے تھے۔‘‘

ماہِ رجب کی فضیلت

ماہِ رجب چونکہ اشہرِ حرم کا حصہ ہے، اس بنا پر اشہرِ حُرم سے متعلق وارد عمومی فضائل بھی اس کی اہمیت کو اُجاگر کرنے کے لیے کافی ہیں، لیکن بعض خصوصی فضائل کا بھی ثبوت ملتا ہے، جس سے مزید اہمیت کا اندازہ لگانا ممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ ابن دحیہؒ نے اس مہینہ کے اٹھارہ نام ذکر کیے ہیں۔

(تبيين العجيب لابن حجرؒ ، ص:۲۳، مؤسسة قرطبة)

لہٰذا ’’كثرة الأسماء تدل علٰى شرف المسمّٰى‘‘ (ناموں کی کثرت مسمّٰی کے شرف وفضیلت کی دلیل ہے) کے ضابطہ کے تحت اس کی اہمیت وفضیلت واضح ہوتی ہے، بہر حال قرآن وحدیث کی روشنی میں چند فضائل پیش خدمت ہیں:

1- قابلِ احترام مہینہ

ماہِ رجب ان مہینوں میں سے ہے جن کو" اَشہر الحرم" سے جانا جاتا ہے، ان مہینوں میں مشرکینِ مکہ بھی خون خرابے سے احتراز کرتے تھے، ان کی فضیلت کا قرآن مجید میں یوں ذکر ہے:

"إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ".(سورة التوبة، آيت نمبر: ٣٦)

"یقیناً ان مہینوں کا شمار (جو کہ) کتابِ الٰہی میں اللہ کے نزدیک (معتبر ہیں) بارہ مہینے (قمری) ہیں، جس روز اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین پیدا کیے تھے (اسی روز سے اور) ان میں چار مہینے ادب کے ہیں۔" (بیان القرآن)

"عن أبی بكرةؓ، عن النبي ﷺ، قال: الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السماوات والأرض، السنة اثنا عشر شهرا، منها أربعة حرم، ثلاث متواليات: ذوالقعدة وذوالحجة والمحرم، ورجب مضر الذي بين جمادى وشعبان۔"

(سنن أبو داؤد،رقم الحديث : ١٩٤٧، المكتبة العصرية، بيروت: ٢/١٩٥)

" زمانہ پھر اپنی پہلی اسی ہیئت پر آ گیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے، ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں: تین تو لگاتار یعنی ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم، اور چوتھا رجبِ مضر جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان میں ہے۔"

2- نیک عمل کے اجر میں اضافہ اور برائی کی شناعت میں زیادتی

محققین کے مطابق ان مہینوں میں بطورِ خاص گناہوں سے بچنے اور نیک اعمال کا اہتمام کرنا چاہیے، اللہ رب العزت نے جس طرح بعض کو بعض پر فوقیت وفضیلت سے نوازا ہے، یہ ایام بھی اللہ کی عطا ہیں، جس کے سبب ان ایام کو خاص فضیلت بخشی ہے، اور ان میں گناہوں کے وبال میں اضافہ ہے، اور یہ متفقہ ضابطہ ہے کہ زمان یا مکان کی خصوصیت سے اس عمل میں شدت پیدا ہوجاتی ہے، چنانچہ آیتِ کریمہ "فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ أَنْفُسَكُمْ"، "سو ان مہینوں میں اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا" کے تحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوف روایت ہے، فرمایا:

"لَا تَظْلِمُوْا أَنْفُسَكُمْ فِيْ كُلِّهِنَّ، ثُمَّ اخْتَصَّ مِنْ ذٰلِكَ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَجَعَلَهُنَّ حُرُمًا، وَعَظَّمَ

حُرُمَاتِهِنَّ، وَجَعَلَ الذَّنْبَ فِيهِنَّ أَعْظَمَ، وَالْعَمَلَ الصَّالِحَ وَالْأَجْرَ أَعْظَمَ۔"(تفسير ابن كثير، دارالكتب العلمية، ۴/۱۳۰، تفسير الطبري، مؤسسة الرسالة: ۱۴/۲۳۸)

ترجمہ: ''سال کے تمام مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم سے خود کو محفوظ رکھو، خصوصاً ان چار مہینوں میں، ان کو اللہ رب العزت نے قابلِ احترام بنایا ہے، اور ان کی حرمت کو عظمت و بڑائی سے نوازا ہے، ان میں گناہ کی شدت میں اضافہ ہوجاتا ہے، نیز نیک عمل اور اس کے اجر میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے۔''

3- روزے رکھنے کی ترغیب

اشہرِ حرم میں روزے کی فضیلت سے متعلق آثارِ صحابہؓ سمیت حدیث مرفوع بھی منقول ہے، چنانچہ سنن ابی داؤد کی روایت ہے:

''ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ اللہ کے رسول! آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: تم کون ہو؟ یعنی میں نہیں پہچانتا۔ اس نو وارد نے عرض کیا: میں باہلی (نسبت سے معروف شخص) ہوں، جو آپ کے پاس ہجرت کے پہلے سال حاضرِ خدمت ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں کیا ہوگیا، تمہاری تو اچھی خاصی حالت تھی؟ جواب دیا: جب سے آپ کے پاس سے گیا ہوں رات کے علاوہ کھایا ہی نہیں (یعنی مسلسل روزے رکھتا رہا ہوں)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے خود کو سزا میں کیوں مبتلا کر رکھا ہے؟ پھر فرمایا: تم صبر کے مہینہ (رمضان) کا روزہ رکھو، اور ہر مہینہ میں ایک روزہ رکھو۔ انہوں نے عرض کیا: اور اضافہ کردیجیے، کیونکہ مجھ میں مزید روزے رکھنے کی طاقت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر دو دن روزہ رکھ لیا کرو، انہوں نے کہا: اس سے زیادہ کی میرے اندر طاقت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تین دن کے روزے رکھ لیا کرو۔ انہوں نے کہا: اضافہ کیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حرمت والے مہینوں میں روزہ رکھو اور چھوڑ دو، حرمت والے مہینوں میں روزہ رکھو اور چھوڑ دو، حرمت والے مہینوں میں روزہ رکھو اور چھوڑ دو۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین انگلیوں سے اشارہ کیا، پہلے بند کیا، پھر انگلیوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔''(سنن أبي داؤد، كتاب الصوم، باب في صوم أشهر الحرم، رقم الحديث : ۲۴۲۸، المكتبة العصرية: ۲/۳۳۲)

مذکورہ روایت کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور کبار تابعین میں سے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے اس مہینہ میں روزہ رکھنے کا ثبوت ملتا ہے۔(مصنف عبدالرزاق، كتاب الصوم

، باب في صيام أشہر الحرم: ۱۷۸۵۶، المجلس العلمي: ۴/۲۹۲، مصنف ابن أبي شيبة، کتاب الصوم، باب ما ذکر في صوم المحرم وأشہر الحرم: ۹۲۲۵، مکتبة الرشد، الرياض: ۲/۳۰۰)

ملاحظہ: ''اشہرِ حرم'' میں چونکہ رجب کا مہینہ بھی داخل ہے، لہٰذا مذکورہ آثار کی روشنی میں اس مہینہ میں روزہ رکھنے کی بھی ترغیب معلوم ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ماہِ رجب میں روزہ سے متعلق متعدد روایات پیش کر کے اُن کی اسنادی حیثیت کو جانچنے کے بعد بطور تبصرہ لکھتے ہیں:

''ماہِ رجب کے روزوں کی فضیلت سے متعلق روایات عام طور پر دو قسم میں منحصر ہیں: 1-ضعیف روایات، 2-موضوع روایات''۔(تبيين العجيب لابن حجرؒ ، ص:۳۳، مؤسسة قرطبة)

چند سطور بعد اسنادی حیثیت سے ان تمام روایات پر ضُعف کا حکم لگایا ہے۔

لیکن یاد رہے کہ روزہ خود مستقل ایک نیک عمل ہے، اور پھر رجب کا اشہرِ حرم میں ہونا اس کے ثواب میں اضافہ کا باعث ہے، لہٰذا اس مہینہ میں کسی بھی دن کسی خاص و متعین اجر وعقیدہ کے بغیر روزہ رکھنا یقیناً باعثِ خیر وامرِ مستحب ہے۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''دوسری حیثیت رجب میں شہرِ حرام ہونے کی ہے، جو اس (رجب) میں اور بقیہ اشہرِ حرم میں مشترک ہے، پہلی حیثیت سے قطع نظر صرف اس دوسری حیثیت سے اس میں روزہ رکھنے کو مندوب (پسند) فرمایا گیا ہے۔''(امداد الفتاویٰ(مجموعہ فتاویٰ جات حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مرتب مفتی محمد شفیع عثمانیؒ)۴/۱۳۴،ط:زکریا بک ڈپو انڈیا، الہند)

4-آغازِ مہینہ پر دعا کا اہتمام

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی شعب الایمان کی روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''کان رسول اللہ ﷺ إذا دخل رجب قال: اللّٰہم بارک لنا في رجب وشعبان وبلغنا رمضان۔'' (شعب الإيمان للبيهقي، تخصيص شهر برجب، رقم الحديث:۳۵۳۴)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب رجب کے مہینہ کا آغاز فرماتے تو یہ دعا مانگتے: اے اللہ! رجب وشعبان کے مہینہ میں ہمارے لیے برکتیں عطا فرما، اور رمضان کے مہینہ تک پہنچا۔''

فائدہ: اس روایت کی سند میں ایک راوی ''زائدۃ'' پر بعض ائمہ فن نے کلام کیا ہے، بعض نے ثقہ

ومعتبر قرار دیا ہے۔(مجمع الزوائد، باب في فضل شهور البركة وفضل شهررمضان: ۳/۱۴۰، ط:مكتبة القدسي، القاهرة)

البتہ یہ روایت معنی ومفہوم کے لحاظ سے درست ہے، اور اکابرین کا اس پر عمل بھی رہا ہے۔ نیز فضائل کے باب میں توسع وگنجائش کی بنا پر اس دعا کو پڑھنے میں حرج نہیں۔ (تذكرة الموضوعات للطاهر الفتني :۱/ ۱۱۷، إدارة الطبعات المنيرية)

اس دعا کی وضاحت کرتے ہوئے ملاعلی قاریؒ لکھتے ہیں:

"اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا أيْ: فِيْ طَاعَتِنَا وَعِبَادَتِنَا، فِيْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ، وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ، أيْ: إِدْرَاكَهُ بِتَمَامِهٖ، وَالتَّوْفِيْقَ لِصِيَامِهٖ وَقِيَامِهٖ۔"(مرقاة المفاتيح، باب الجمعة: ۳/۱۰۲۲، رقم الحديث:۱۳۶۹، دار الفكر، بيروت)

''اے اللہ! ماہِ رجب وشعبان میں ہماری طاعت وعبادت میں برکت عطا فرما، اور ہمیں رمضان المبارک کے مبارک لمحات کے حصول، اور اس میں روزے وتراویح کی توفیق خاص نصیب فرما۔''

ماہِ رجب سے متعلق عوام الناس میں رائج دیدہ ودانستہ غلطیوں کی اصلاح

1-واقعۂ اسراء کی تاریخ

آج کل عوام میں یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفرِ اسراء ومعراج جس میں جنت ودوزخ کا مشاہدہ، حق تعالیٰ شانہ کا قرب، پانچ نمازوں کا تحفہ اور دیگر بڑی بڑی نشانیوں کی زیارت کا شرف یہ حتمی طور پر ستائیسویں رجب کو حاصل ہوا تھا، جبکہ واقعۂ معراج کے حوالہ سے کسی صحیح حدیث سے متعین دن کا ثبوت نہیں ملتا، عام طور پر اس دن مختلف محفلوں ومجلسوں کا انعقاد کر کے مختلف بدعات کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ افسوس کہ ان مجالس کی زیر سرپرستی اور انتظامات دین دار سمجھے جانے والے لوگوں کے سپرد ہوتے ہیں، جو اس میں بڑھ چڑھ کر شریک کار نظر آتے ہیں۔

سفرِ معراج کس سال، کس مہینے اور کس دن میں واقع ہوا؟ علماءِ سیرت کے ہاں ان تینوں امور کی تعیین میں شدید اختلاف ہے، تاہم اتنی بات پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ بعثتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور ہجرت سے قبل پیش آیا۔ نیز مہینہ کی تعیین کے سلسلہ میں بھی پانچ اقوال ملتے ہیں:

۱-ربیع الاول، ۲-ربیع الثانی، ۳-رجب، ۴-رمضان، ۵-شوال۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:شرح الزرقاني على المواهب اللدنية: ۲/۶۷،دار الكتب العلمية)

یہاں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت، جن کی تعداد کم وبیش پینتالیس تک ذکر کی گئی ہے، جنہوں نے اجمالاً وتفصیلاً اس واقعہ کو نقل کیا ہے، لیکن اس کے باوجود اس رات میں مخصوص عبادت واہتمام کو نقل کرنا تو دور، اس عظیم سفر کی تاریخ کا تعین ہی نہیں کیا گیا۔

2- ستائیسویں رجب کا روزہ

کسی بھی معتبر سند سے مروی روایت میں اس دن سے متعلق کوئی خاص نفلی عبادت منقول نہیں ہے، لہٰذا اس دن سے متعلق مخصوص ثواب کی نیت سے روزہ رکھنا درست نہیں ہے، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ستائیسویں رجب کو جسے عوام ''ہزارہ کا روزہ'' کہتی ہے، اور اس کے روزے کے ثواب کو ہزار روزوں کے برابر تصور کرتی ہے، اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔''

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل ومدلل: ۶/ ۴۰۶، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

3- رجب کے کونڈے

عوام میں رائج غلط رسوم میں ایک اصلاح کُن رسم کونڈے کی ہے، جس کے لیے ۲۲/رجب کا دن مختص کیا گیا ہے، اور مختلف من گھڑت پس منظر بیان کرکے اس کے اثبات وجواز کی کوشش کی جاتی ہے، جس میں کثیر العیال فقر وفاقہ میں گرفتار شخص کی زندگی کی حضرت جعفر صادقؒ کے نام پر کونڈے تیار کرنے کی برکت سے معاشی فراخی وانقلاب کی جھوٹی داستان کو بیان کیا جاتا ہے، جبکہ درحقیقت روافض کی جانب سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر خوشی کے اظہار کے لیے ایک حیلہ اختیار کیا جاتا ہے، لہٰذا مسلمانوں کو ایسی رسومات سے احتراز کرنا چاہیے۔ (تفصیل کے ملاحظہ ہو: فتاویٰ محمودیہ، مجموعہ فتاویٰ جات مفتی محمود حسن گنگوہیؒ (۳/۲۸۱، ۲۸۲) باب البدعات والرسوم، ط: دارالافتاء جامعہ فاروقیہ، کراچی)

4- صلاۃ الرغائب

عوام میں یہ بات معروف ہے کہ ستائیسویں رجب کو مغرب کے بعد بارہ رکعت چھ سلام سے مخصوص سورتوں کے ساتھ اس نماز کے بعد مخصوص کلمات سے منقول درود شریف کے اہتمام کو امرِ مندوب سمجھا جاتا ہے، نیز ایک مرفوع روایت پیش کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے:

”عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، قَالَ: ”فِيْ رَجَبَ لَيْلَةٌ يُكْتَبُ لِلْعَامِلِ فِيْهَا حَسَنَاتُ مِائَةِ سَنَةٍ، وَذٰلِكَ لِثَلَاثٍ بَقِيْنَ مِنْ رَجَبَ، فَمَنْ صَلّٰى فِيْهَا اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً، فَقَرَأَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً مِّنَ الْقُرْآنِ، يَتَشَهَّدُ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُسَلِّمُ فِيْ آخِرِهِنَّ، ثُمَّ يَقُوْلُ: سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ مِائَةَ مَرَّةٍ، وَيَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِائَةَ مَرَّةٍ، وَيُصَلِّيْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِائَةَ مَرَّةٍ، وَيَدْعُوْ لِنَفْسِهٖ مَا شَاءَ مِنْ أَمْرِ دُنْيَاهُ وَآخِرَتِهٖ، وَيُصْبِحُ صَائِمًا، فَإِنَّ اللّٰهَ يَسْتَجِيْبُ دُعَاءَهُ كُلَّهُ إِلَّا أَنْ يَّدْعُوَ فِيْ مَعْصِيَةٍ۔“

(شعب الإيمان للبيهقي، تخصيص شهر رجب بالذكر: ۵/۳۴۶، رقم الحديث :۳۵۳۱)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رجب میں ایک رات ہے کہ اس میں نیک عمل کرنے والے کو سو برس کی نیکیوں کا ثواب ہے اور وہ رجب کی ستائیسویں شب ہے، جو اس میں بارہ رکعت پڑھے، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ایک سورت، اور ہر دو رکعت پر التحیات اور آخر میں بعد سلام سُبْحَانَ اللّٰهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ سو بار، استغفار سو بار، درود سو بار، اور اپنی دنیا وآخرت سے جس چیز کی چاہے دعا مانگے اور صبح کو روزہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کی سب دعائیں قبول فرمائے، سوائے اس دعا کے جو گناہ کے لیے ہو۔“

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ (تبيين العجيب، ص: ۵۵، نیز حافظ ابن حجرؒ نے اس پر مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے جو ”الإنصاف لما في صلاة الرغائب من الاختلاف“ کے نام سے موسوم ہے) اور اس کے تمام راویوں کو مجہول قرار دیا ہے۔ اسی طرح علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کے بدعت وجہالت ہونے پر تصریح فرمائی ہے، لہٰذا اس نوعیت کے عمل سے احتراز کرنا لازم ہے۔

(شرح صحیح مسلم للنووي،باب كراهية إفراد يوم الجمعة بصوم، رقم الحديث: ۲۶۸۲)

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے فضل وکرم سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ صحیح نہج وفکر سمیت اپنے احکامات پر عمل پیرا ہونے اور دوسروں تک ان کو پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

……◆……

شبِ برأت کی حقیقت وفضیلت

مفتی اسجد اللہ قاسمی، مقیم دوحہ، قطر

شعبان المعظم کی پندرہویں رات شبِ برأت کے نام سے موسوم ہے۔ یہ انتہائی فضیلت و بزرگی والی رات ہے۔

شب برات کے بارے میں یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اس کی کوئی فضیلت حدیث سے ثابت نہیں، حقیقت یہ ہے کہ دس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین (حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی المرتضیٰ ،حضرت عائشہ صدیقہ حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابوہریرہ، حضرت عوف بن مالک، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابوثعلبہ الخشنی ،حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص، حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہم اجمعین) سے احادیث مروی ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس رات کی فضیلت بیان فرمائی، ان میں سے بعض احادیث سند کے اعتبار سے بے شک کچھ کمزور ہیں اوران احادیث کے کمزور ہونے کی وجہ سے بعض علمانے یہ کہہ دیا کہ اس رات کی فضیلت بے اصل ہے، لیکن حضرات محدثین اورفقہا کا یہ فیصلہ ہے کہ اگرایک روایت سند کے اعتبار سے کمزور ہولیکن اس کی تائید بہت سی احادیث سے ہوجائے تواس کی کمزوری دور ہوجاتی ہے، اور جیسا کہ ذکر کیا کہ دس صحابۂ کرامؓ سے اس کی فضیلت میں روایات موجود ہیں لہٰذا جس رات کی فضیلت میں دس صحابۂ کرامؓ سے روایات مروی ہوں اس کو بے بنیاد اور بے اصل کہنا بہت غلط ہے۔

شبِ برات کے حوالے سے دوطرح کے نظریئے پائے جاتے ہیں۔ ایک نظریہ متشدّ دین کا ہے جو اسے مہمل بدعت قرار دیتے ہیں اور اس سے متعلقہ روایت کردہ تمام احادیثِ مبارکہ کوضعیف یا موضوع سمجھتے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف جہلا ہیں جنہوں نے اغیار کی نقالی کرتے ہوئے بہت ساری رسومات و بدعات کوبھی اِس رات کی عبادت کا ایک حصہ بنالیا ہے۔ اس مضمون میں احادیث مبارکہ کی روشنی میں ان امور کا جائزہ لیا گیا ہے جن کا کرنا ماہِ شعبان یا شبِ برات میں مستحب و مستحسن ہے اور ان خرافات کی بھی نشاندہی کی گئی ہے جن کوعبادت کے نام پر دین کا ایک حصہ بنالیا گیا۔ علامہ البانی نے ماہِ شعبان اور شبِ

برات کے حوالے سے تقریباً ایک سو پینتیس (١٣٥) صحیح، حسن، ضعیف اور موضوع روایات کو مختلف کتبِ احادیث میں بیان کیا ہے۔ اِن کے علاوہ بھی بعض دوسرے علما نے کتب تفسیر وغیرہ میں کچھ روایات کا تذکرہ کیا ہے۔

شب برأت میں عبادت

امت مسلمہ کے جو خیر القرون ہیں یعنی صحابۂ کرامؓ کا دور، تابعین کا دور، تبع تابعین کا دور، اس میں بھی اس رات کی فضیلت سے فائدہ اٹھانے کا اہتمام کیا جاتا رہا ہے، لوگ اس رات میں عبادت کا خصوصی اہتمام کرتے رہے ہیں، لہٰذا اس کو بدعت کہنا، یا بے بنیاد اور بے اصل کہنا درست نہیں، صحیح بات یہی ہے کہ یہ فضیلت والی رات ہے، اس رات میں عبادت کرنا باعث اجر وثواب ہے اور اس کی خصوصی اہمیت ہے۔

شبِ برأت میں قبرستان جانا

اس رات میں ایک اور عمل ہے جو ایک روایت سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع میں تشریف لے گئے، اب چونکہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اس رات میں جنت البقیع میں تشریف لے گئے، اس لئے مسلمان اس بات کا اہتمام کرنے لگے کہ شبِ برأت میں قبرستان جائیں، لیکن حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑی کام کی بات بیان فرمائی ہے، جو ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے، فرماتے ہیں کہ جو چیز رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے جس درجہ میں ثابت ہو اسی درجے میں اسے رکھنا چاہئے، اس سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے، لہٰذا ساری حیاتِ طیبہ میں رسول کریم ﷺ سے ایک مرتبہ جانا مروی ہے، کہ آپ شبِ برات میں جنت البقیع تشریف لے گئے، چونکہ ایک مرتبہ جانا مروی ہے اس لئے تم بھی اگر زندگی میں ایک مرتبہ چلے جاؤ تو ٹھیک ہے، لیکن ہر شب برات میں جانے کا اہتمام کرنا، التزام کرنا، اور اسکو ضروری سمجھنا اور اس کو شب برات کے ارکان میں داخل کرنا اور اس کو شب برات کا لازمی حصہ سمجھنا اور اس کے بغیر یہ سمجھنا کہ شب برات نہیں ہوئی، یہ اس کو اس کے درجے سے آگے بڑھانے والی بات ہے۔

عبادت کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں

البتہ یہ بات درست ہے کہ اس رات میں عبادت کا کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں کہ فلاں طریقے سے عبادت کی جائے جیسے بعض لوگوں نے اپنی طرف سے ایک طریقہ گھڑ کر یہ کہہ دیا کہ شبِ برات میں اس

خاص طریقے سے نماز پڑھی جاتی ہے، مثلاً پہلی رکعت میں فلاں سورت اتنی مرتبہ پڑھی جائے، دوسری رکعت میں فلاں سورت اتنی مرتبہ پڑھی جائے وغیرہ وغیرہ، اس کا کوئی ثبوت نہیں، یہ بالکل بے بنیاد بات ہے، بلکہ نفلی عبادت جس قدر ہو سکے وہ اس رات میں ادا کی جائے، نفل نماز پڑھیں، قرآن کریم کی تلاوت کریں، ذکر کریں، تسبیح پڑھیں، دعائیں کریں، یہ ساری عبادتیں اس رات میں کی جاسکتی ہیں، لیکن کوئی خاص طریقہ ثابت نہیں۔

آدمی کے اندر دو صفتیں پائی جاتی ہیں: ایک "روحانیت"، دوسری "حیوانیت"؛ پہلی صفت میں انسان ترقی کر کے فرشتوں کے مشابہ ہو جاتا ہے، اس لیے اسے "مَلَکیت" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور دوسری صفت میں اضافہ کی وجہ سے انسان عام حیوانوں کے مشابہ ہوجاتا ہے؛ اس لیے اس کو "بہیمیت" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ روزہ کی برکت سے حیوانیت روحانیت کے تابع ہوجاتی ہے، آدمی خواہشات کو دبا کر اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہوجاتا ہے اور متقین کی صف میں شامل ہوجاتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت میں روحانیت اور ملکیت کے بڑھانے کے لیے جہاں فرض روزوں کی تعلیم دی ہے، وہیں نفل روزے رکھے ہیں اور امت کو اس کی ترغیب و تعلیم بھی دی ہے۔

احادیث میں نفل روزوں کی ترغیب

روزہ کی وجہ سے روحانیت میں ترقی ہوتی ہے اور حیوانی وشہوانی قوت ٹوٹتی ہے؛ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض کے علاوہ نفلی روزہ کثرت سے رکھا کرتے تھے اور صحابہ کرام رضي اللہ عنہم اجمعین کو اس کی ترغیب بھی دیتے تھے، ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: عن أبي هريرة رضي الله عنه قال ، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :(كل عمل ابن آدم يضاعف الحسنة عشر أمثالها إلى سبعمائة ضعف ، قال الله عز وجل إلا الصوم ، فإنه لي وأنا أجزي به ، يدع شهوته وطعامه من أجلي للصائم فرحتان فرحة عند فطره وفرحة عند لقاء ربه ولخلوف فيه أطيب عند الله من ريح المسك۔(مسلم1151)

(حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک بڑھایا جاتا ہے؛ مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ روزہ اس عام قانون سے مستثنیٰ ہے، وہ بندہ کی طرف سے خاص میرے لیے تحفہ ہے، اور میں ہی (جس طرح چاہوں گا) اس کا اجر وثواب دوں گا، میرا بندہ میری رضا کے واسطے اپنی خواہشِ نفس اور اپنا کھانا پینا چھوڑ دیتا ہے

(پس میں خود ہی اپنی مرضی کے مطابق اس کی قربانی اور نفس کُشی کا صلہ دوں گا) روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک افطار کے وقت اور دوسری اپنے مالک ومولیٰ کی بارگاہ میں حضوری اور شرفِ باریابی کے وقت، اور قسم ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بو، اللہ کے نزدیک مُشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے۔عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : "الصِّيَامُ جُنَّةٌ فَلا يَرْفُثْ وَلا يَجْهَلْ وَإِنْ امْرُؤٌ قَاتَلَهُ أَوْ شَاتَمَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ مَرَّتَيْنِ (البخاري1894)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروي ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ، روزہ (دنیا میں شیطان اور نفس کے حملوں کے لیے اور آخرت میں دوزخ کی آگ سے حفاظت کے لیے) ڈھال ہے اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو اسے بے ہودہ اور فحش باتیں نہیں بکنا چاہیے اور نہ ہی شور وغُل کرنا چاہیے اور اگر کوئی دوسرا اُسے گالی دے یا جھگڑے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔"

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لكل شيء زكاة وزكاة الجسد الصوم۔(ابن ماجہ1745)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ہر چیز کی ایک زکوٰۃ ہوتی ہے (جس کے نکالنے سے وہ چیز پاک ہو جاتی ہے) اور جسم کی زکوٰۃ روزہ رکھنا ہے۔عَنْ أَبِي أُمَامَةَ البَاهِلِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: »مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ جَعَلَ اللَّهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ خَنْدَقًا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ۔ (سنن الترمذی1624)

حضرت ابو امامہ الباہلی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ: جو آدمی اللہ کے راستے میں ایک دن روزہ رہے، اس کے لیے اللہ رب العزت اس کے اور جہنم کے درمیان خندق (گڑھا) کھود دیتے ہیں، جس کی چوڑائی آسمان وزمین کے برابر ہوتی ہے۔ (حاصل یہ کہ اس بندے کا جہنم میں داخل ہونا محال ہے)

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:من صام يوماً في سبيل الله، باعد الله وجهه عن النار سبعين خريفاً۔(متفق علیہ)

(حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو آدمی اللہ کے راستے میں ایک دن روزہ رہے تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے (یعنی جسم) کو جہنم سے ستر سال دور فرما دیں گے۔)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال سمعت رسول الله يقول من صام يوما ابتغاء وجه الله بعده الله من جهنم كبعد غراب طائر وهو فرخ حتى مات هرما "

(حضرت ابو ہریرہ رضي الله عنہ فرماتے ہیں کہ: رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: جو آدمی اللہ تعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایک دن روزہ رہے اللہ تعالیٰ اس کو جہنم سے اتنا دور فرمادیں گے، جتنا چوزہ ہونے کی عمر سے کھوسٹ بڈھا ہوکر مرنے تک برابر اڑنے والا کوّا دوری طے کرتا ہے۔(مشکوٰۃ شریف:181)

مذکورہ بالا تینوں (4,5,6) روایتوں میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رہنے کی برکت سے جہنم سے چھٹکارہ پانے کی یقینی صورت کومختلف انداز میں بیان فرمایا ہے، مطلب ایک ہی ہے؛ البتہ اسلوبِ بیان الگ ہے، آسمان وزمین کے برابر خندق کھودنے کا مطلب ہے کہ اس بندے کا جہنم میں داخل ہونا بہت مشکل ہے۔"ستر" کا عدد عرب اپنے محاورے میں کثرت کے مبالغہ کے لیے بولا کرتے تھے؛ اس لیے ستر سال دوری کا مطلب ہے کہ وہ جہنم سے بہت دور ہوجائے گا۔"کوّا" کی عمر بڑی لمبی ہوتی ہے، عرب میں لمبی مدت کے لیے کوے کی عمر کو کنایہ اور استعارہ کے طور پر بولتے یں، ظاہر سی بات ہے کہ کوّا اگر اپنے چوزے پن کی حالت میں اڑنے لگے اور کھوسٹ بڈھا ہوکر مرنے تک اڑتا ہی رہے تو کتنی زیادہ مسافت طے کرے گا، اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، اسی طرح اللہ ربُّ العزت نفل روزہ رکھنے والے کو جہنم سے اتنا دور فرمادیں گے کہ وہ واپس جہنم میں جا ہی نہیں سکے گا۔

نفل روزوں میں اعتدال

اسلام اعتدال ومیانہ روی کی تعلیم دیتا ہے، نفل عبادتیں اتنی ہی محمود ہیں، جن کے ساتھ آدمی اپنے جسم وجان، عزیز وقریب اور زیردستوں کی پوری ذمہ داری کو بہ حسن وخوبی نبھا سکے، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر شفقت کرتے ہوئے نوافل میں اعتدال کی راہ بتائی، اس لیے ہر مہینے میں صرف تین دن روزہ کو صوم الدہر (ہمیشہ روزہ رہنے) کے برابر بتایا، اور مزید قوت وطاقت ہوتو ایک دن روزہ ایک دن فاقہ کرکے نصف ماہ روزہ کی اجازت دی اور قرآن پاک کو مہینہ میں ایک بار ختم کرنے کی تعلیم دی اور اگر ہمت وطاقت ہوتو ہفتہ میں ایک بار ختم کی اجازت دی۔(مشکوٰۃ:ص:۱۷۹) اس لیے ہمیں اعتدال کا دامن کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔

شعبان میں نفل روزے

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفلی روزے (کبھی) مسلسل رکھنے شروع کرتے یہاں تک کہ ہمیں خیال ہوتا کہ اب ناغہ نہیں کریں گے اور (کبھی) بغیر روزے کے مسلسل دن گذارتے؛ یہاں تک کہ ہمیں خیال ہونے لگتا ہے کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلا روزہ ہی رہیں گے۔ نیز فرماتی ہیں کہ: میں نے رمضان کے علاوہ کسی مہینے کا پورا روزہ رکھتے نہیں دیکھا، اسی طرح کسی مہینے میں شعبان سے زیادہ نفلی روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ (مشکوٰۃ:۱۷۸)

بعض روایتوں میں ہے کہ شعبان کے مہینہ میں بہت کم ناغہ کرتے تھے، تقریباً پورے مہینے روزے رکھتے تھے۔ (الترغیب والترہیب:2/117)

احادیث کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ نفلی روزوں کے سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی لگا بندھا دستور و معمول نہیں تھا، کبھی مسلسل روزے رکھتے، کبھی مسلسل ناغہ کرتے؛ تاکہ امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں زحمت، مشقت اور تنگی نہ ہو، وسعت و سہولت کا راستہ کھلا رہے، ہر ایک اپنی ہمت، صحت اور نجی حالات کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کر سکے، اسی لیے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایامِ بیض (13، 14,15 تاریخوں) کے روزے رکھتے، کبھی مہینے کے شروع میں ہی تین روزے رکھتے، کسی مہینہ میں ہفتہ، اتوار اور پیر کے روزے رکھتے تو دوسرے مہینے میں منگل، بدھ اور جمعرات کے روزے رکھتے، کبھی جمعہ کے روزے کا اہتمام کرتے، اسی طرح عاشورہ اور شوال کے چھ روزے رکھنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

شعبان کے مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کثرت سے روزے رکھنے کی علماء نے کئی حکمتیں بیان کی ہیں:

۱- چوں کہ اس مہینہ میں اللہ رب العزت کے دربار میں بندوں کے اعمال کی پیشی ہوتی ہے؛ اس لیے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میں چاہتا ہوں کہ جب میرے اعمال کی پیشی ہو تو میں روزے کی حالت میں رہوں، یہ بات حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت میں موجود ہے۔ (نسائی شریف)

۲- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ: پورے سال میں مرنے والوں کی فہرست اسی مہینے میں ملک الموت کے حوالے کی جاتی ہے؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے تھے کہ

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بارے میں ملک الموت کو احکام دیے جائیں تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزے سے ہوں۔ (معارف الحدیث: 4/155)

۳- رمضان المبارک کے قریب ہونے اور اس کے خاص انوار و برکات سے مناسبت پیدا کرنے کے شوق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے مہینہ میں روزے کا اہتمام کثرت سے فرماتے تھے، جس طرح فرض نمازوں سے پہلے سنتیں پڑھتے تھے، اسی طرح فرض روزے سے پہلے نفلی روزے رکھا کرتے تھے اور جس طرح فرض کے بعد سنتیں اور نفلیں پڑھتے تھے؛ اسی طرح رمضان کے بعد شوال میں چھ روزے رکھتے اور اس کی ترغیب بھی دیا کرتے تھے۔

شعبان کے روزے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے عمل میں فرق

آپؐ کے بارے میں جیسا کہ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے تقریباً پورے مہینے روزہ رکھتے تھے، دوسرے مہینوں کے مقابلے میں اس مہینہ میں اہتمام زیادہ تھا، اسی طرح چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت پر بڑے شفیق، رؤف اور رحیم تھے؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بتایا کہ تم میری ہمسری نہیں کر سکتے، مجھے تم سے زیادہ طاقت دی گئی ہے، اس کے علاوہ مجھے یہ بھی خصوصیت حاصل ہے (یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیَسْقِیْنِیْ) کہ مجھے میرے رب کھلاتے پلاتے رہتے ہیں، مجھے روحانی غذا ملتی رہتی ہے؛ اس لیے تم لوگ شعبان میں روزہ رکھ سکتے ہو؛ لیکن نصف شعبان آتے ہی روزہ رہنا بند کردو، پھر جب رمضان آئے تو نئی نشاط کے ساتھ روزہ شروع کرو! (ابن ماجہ: ۱/ ۳۰۳، تحقیق مصطفی اعظمی زید مجدہ)

ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے: اِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلاَ تَصُوْمُوْا (۱/ ۵۵)

جب شعبان کا مہینہ آدھے پر آجائے تو روزہ نہ رہو! (نیز دیکھئے: بلوغ المرام: ۱۳۹)

خلاصہ یہ کہ پورے مہینہ یا اکثر دنوں میں روزہ رہنا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے، ہمارے لیے نصف شعبان تک روزہ رہنا سنت ہے؛ لیکن اس کے بعد روزہ رہنا خلافِ سنت ہے، محدثین نے اس ممانعت کو تنزیہی پر محمول کیا ہے، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم امت پر شفقت کے طور پر ہے تا کہ رمضان المبارک کے فرض روزے رکھنے میں ضعف محسوس نہ ہو؛ بلکہ نشاط، چستی اور ہشاش بشاش ہونے کی حالت میں رمضان کا روزہ شروع کیا جا سکے۔ (مرقات)

نیز جمیع محدثین کے یہاں اُصول حدیث کا متفق علیہ قاعدہ ہے کہ فضائل اَعمال میں حدیثِ ضعیف بھی مقبول ہوتی ہے جبکہ شبِ براءت کے حوالے سے تو کثیر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایات

مروی ہیں۔لہٰذا یہ تصور ذہن میں نہیں آنا چاہیے کہ کسی ایک روایت اور سند پر کسی ایک نے لکھ دیا کہ اس میں ضعف ہے تو معاذ اللہ اسے اٹھا کر پھینک دیا جائے۔لوگوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ضعف کسے کہتے ہیں؟ ضعیف حدیث، موضوع روایت کو نہیں کہتے۔ یہ بھی واضح رہے کہ ضعف کبھی حدیث کے متن و مضمون (الفاظ) میں نہیں ہوتا، بلکہ ضعف اس کی اسناد میں کسی وجہ سے ہوتا ہے اور اگر ایک سبب سے ایک سند میں ضعف ہے اور دوسری سند اس سے قوی آجائے تو اس پہلی سند کا ضعف بھی ختم ہوجاتا ہے۔بعض لوگ صرف اپنی کم علمی کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں کو پراگندہ کرتے رہتے ہیں۔

شبِ برأت پر کثیر تعداد میں مروی احادیث، تعاملِ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ سلف، فقہاء صرف اس لیے نہیں ہیں کہ کوئی بھی بندہ فقط ان کا مطالعہ کرکے یا بنا مطالعہ کے ہی انہیں قصے، کہانیاں سمجھتے ہوئے ان سے صرفِ نظر کرے، بلکہ ان کے بیان سے مقصود یہ ہے کہ انسان اپنے مولا خالقِ کائنات کے ساتھ اپنے ٹوٹے ہوئے تعلق کو پھر سے اُستوار کرے جو کہ اس رات اور اس جیسی دیگر روحانی راتوں میں عبادت سے بہ سہولت میسر آسکتا ہے۔

ان بابرکت راتوں میں رحمتِ الٰہی اپنے پورے آب و تاب کے ساتھ بندوں پر سایہ فگن ہوتی ہے اور اپنے گناہ گار بندوں کی بخشش و مغفرت کے لیے بے قرار ہوتی ہے، لہٰذا اس رات میں قیام کرنا، کثرت سے تلاوتِ قرآن، ذکر، عبادت اور دعا کرنا مستحب ہے اور یہ اَعمال احادیثِ مبارکہ اور سلف صالحین کے عمل سے ثابت ہیں، اس لیے جو شخص بھی اس شب کو یا اس میں عبادت کو بدعتِ ضلالۃ کہتا ہے وہ درحقیقت احادیثِ صحیحہ اور اعمالِ سلف صالحین کا منکر اور فقط ہوائے نفس کا متبع ہے۔

یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ جو عمل خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہو، تابعین، اتباع تابعین اور اسلاف امت اس پر شروع سے ہی عمل پیرا رہے ہوں، فقہائے کرام جسے مستحب قرار دیتے ہوں، کیا وہ عمل بدعت ہوسکتا ہے؟ اگر ایسا عمل بھی بدعت ہے تو پھر سنت و مستحب عمل کیا ہوگا؟

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ تمام مسلمانوں کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔آمین ثم آمین

......✦......

جہاد: حقیقت اور پروپیگنڈہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

انسان کی ایک کمزوری یہ ہے کہ جو بات اس سے بار بار کہی اور دہرائی جاتی ہے، وہ اس کا یقین کر لیتا ہے، خواہ وہ بات کتنی ہی خلافِ واقعہ کیوں نہ ہو، اس کی ایک مثال اس وقت ''جہاد'' کے عنوان سے پھیلائی جانے والی غلط فہمیاں ہیں، جو ایک ملی تنظیم کے سربراہ کے بیان کے پس منظر میں میڈیا کا موضوع بن گئی ہے، مغربی ملکوں نے اپنی ظلم و زیادتی پر پردہ رکھنے اور اسلام کو بدنام کرنے کے لئے ''جہاد'' کو ''دہشت گردی'' (Terrorism) کے ہم معنی قرار دے دیا ہے اور پوری دنیا میں اسلام کے خلاف دہشت گردی کو عنوان بنا کر مہم چلائی جا رہی ہے، اسرائیل فلسطین کی زمین پر قابض ہے، فلسطینی تارکین کو اپنے گھر واپسی کے حق سے محروم کئے ہوا ہے، اور خود یہودی بستیاں بسا رہا ہے، اسرائیل کا موجودہ وزیر اعظم بنجامن نتن یاہو خوں آشام طبیعت کا انسان ہے اور اس نے نہتے عربوں کا قتل عام کیا ہے، اس کے باوجود انھیں دہشت گرد نہیں کہا جاتا اور فلسطینی جب ان مظالم کے خلاف جد و جہد کرتے ہیں تو ان کی مدافعانہ کارروائیوں کو دہشت گردی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

خود ہمارے ملک ہندوستان میں جن طاقتوں نے علانیہ بابری مسجد کو شہید کیا، عدالتی احکام کی خلاف ورزی کی، بھاگلپور، میرٹھ اور مختلف علاقوں میں مسلمانوں کا قتل عام کیا، اور گجرات میں منصوبہ بند طریقہ پر مسلمانوں کی جان و مال کو تباہ کیا، وہ دہشت گرد نہیں کہلاتے اور اگر مسلمانوں کی طرف سے کسی ردِ عمل کا اظہار ہو تو اسے دہشت گردی کا نام دیا جاتا ہے، انڈونیشیا میں مشرقی تیمور کے علاحدگی پسندوں نے شورشیں برپا کیں تو انھیں دہشت گرد نہیں کہا گیا اور انڈونیشیا کو اس بات پر مجبور کر دیا گیا کہ وہ اس خطہ کو آزاد کر دے، اسے دہشت گردی نہیں سمجھا گیا، سوڈان میں جنوبی علاقے کے عیسائی آمادۂ بغاوت تھے، تو اس کو جنگ آزادی کا نام دیا گیا، روس سے متعدد عیسائی ریاستوں نے اپنی علاحدگی کا اعلان کیا، تو ان کے اس حق کو تسلیم کیا گیا؛ لیکن چیچنیا میں جب عوامی انتخاب کے ذریعہ ایک مسلم ملک وجود میں آیا تو اسے دہشت گرد کہا

گیا اور پورا مشرق و مغرب مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا بالآخر قطعاً ظالمانہ طریقہ پر اس مملکت کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔

مغرب کی سامراجی طاقتوں اور ہندوستان کی ہندوتوا تنظیموں نے دہشت گردی کا عجیب پیمانہ مقرر کیا ہے جس میں ایک ہی عمل کہیں ''دہشت گردی'' قرار پاتا ہے اور کہیں ''حق مدافعت'' اور اسلام کو مزید بدنام کرنے کے لئے ''جہاد'' کو بھی دہشت گردی سے مربوط کردیا گیا ہے، اس پس منظر میں یہ بات ضروری ہے کہ ہم جہاد کے صحیح مفہوم کو سمجھیں اور ان حالات اور مواقع کو سامنے رکھیں جن میں جہاد کی اجازت دی گئی۔عربی زبان میں ''جَہد'' (ج کے زَبر کے ساتھ) کے معنی طاقت کے ہیں اور جُہد (ج کے پیش کے ساتھ) کے معنی مشقت کے ہیں، جہاد ظلم کا مقابل کرنے کے لئے اپنی پوری طاقت استعمال کرنے اور اس راہ میں ہونے والی مشقتوں کو انگیز کرنے کا نام ہے، گویا جہاد ایک وسیع مفہوم کی حامل اصطلاح ہے، جس کا مقصد عدل قائم رنے کی کوشش وکاوش ہے، جہاد کے مختلف وسائل و ذرائع ہیں، زبان و بیان بھی جہاد کا ایک ذریعہ ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ظالم بادشاہ کے سامنے انصاف کی بات کہنے کو سب سے افضل جہاد قرار دیا: أفضل الجهاد كلمة عدل عند السلطان الجائر (ابن ماجہ، حدیث نمبر:۴۰۱۱)

جہاد کا ایک ذریعہ اس زمانہ میں قلم بھی ہے؛ بلکہ یہ نہایت مؤثر ذریعہ ہے، کوئی مسلمان اپنا قلم ظلم و روکنے اور دین کی حفاظت و اشاعت کے لئے وقف کردے تو یہ بھی جہاد میں شامل ہے، آج کل دوسرے ذرائع ابلاغ بھی کسی فکر کی ترویج و اشاعت اور اس کے غلبہ کے لئے نہایت مفید اور مؤثر ہیں اور یہ بھی معنوی جہاد میں شامل ہیں۔ جہاد کی آخری صورت ''جہاد بالسیف'' ہے، یعنی ظالموں کے خلاف طاقت کا استعمال؛ لیکن اس کے لئے کچھ شرطیں اور تفصیلات ہیں، ایسا نہیں ہے کہ کسی مسلمان کی نظر جس غیر مسلم پر پڑ جائے، یا جو غیر مسلم اس کی گرفت میں آجائے وہ اس کا کام تمام کردے، یہ جہاد نہیں بلکہ فساد ہے، جہاد کے سلسلہ میں قرآن نے ہمیں واضح طور پر بتایا کہ جو لوگ تم کو مرنے اور مارنے کے درپے ہوں، تم بھی ان سے جہاد کرو؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۔ (البقرہ:۱۹۰)

اور جو لوگ تم سے برسرِ پیکار ہیں، ان سے اللہ کے راستہ میں جہاد کرو اور زیادتی نہ کرو، کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ اس آیت میں دو باتیں بتائی گئی ہیں، اول یہ کہ جہاد کا آخری درجہ جسے قرآن مجید میں قتال سے تعبیر کیا گیا ہے، ان لوگوں سے ہے، جو مسلمانوں سے برسر پیکار ہوں، جن کی مسلمانوں کے ساتھ صلح ہو، جیسا کہ بھارت میں تمام قومیں ایک معاہدہ کے تحت رہتی ہیں، ان سے قتال کا

حق نہیں ہے، ایک اور موقع پر قرآن مجید نے اس حکم کو بہت ہی وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے، ارشاد ہے:

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۔ (الممتحنۃ:۸)

اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ حُسن سلوک اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتے، جنھوں نے دین کے معاملہ میں تم سے لڑائی نہیں کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔ یہ آیت صاف طور پر بتاتی ہے کہ جہاد کا حکم ان لوگوں سے ہے، جو مسلمانوں سے آمادۂ جنگ ہوں اور ظاہر ہے کہ اگر کوئی قوم دوسری قوم سے جنگ وجدال کا تہیہ کئے ہوئی ہو، تو اگر ان سے جنگ نہ کی جائے گی تو کیا ان کے لئے پھول کی سیجیں بچھائی جائیں گی؟ اوپر جس آیت کا ذکر ہوا ہے، اس میں دوسری اہم بات یہ فرمائی گئی ہے کہ اسلام حالتِ جنگ میں بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ مسلمان اخلاق اور انسانیت کی حدود کو پھلانگ جائیں، اسی کو قرآن مجید نے ''اعتداء'' یعنی ''زیادتی'' سے تعبیر کیا ہے اور کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے، علامہ ابن کثیرؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حسن بصریؒ وغیرہ سے اس کی تشریح میں نقل کیا ہے کہ اس سے مراد دشمن کا مُثلہ کرنا، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرنا، مذہبی شخصیتوں کا قتل اور درختوں کو جلانا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۲۶۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے بھی منع فرمایا کہ کسی انسان کو جلانے کی سزا دی جائے، کہ اس سزا کا حق صرف اللہ کو ہے، مسلمانوں نے ہمیشہ اس ہدایت کو ملحوظ رکھا، انسانوں کو زندہ جلانے کی المناک اور انسانیت سوز صورت یا تو ان عیسائیوں کے یہاں ملتی ہے، جن کی مذہبی عدالتیں عقیدہ سے اختلاف رکھنے والوں کو زندہ نذرِ آتش کر دیا کرتی تھیں، یورپ کی مذہبی اور اخلاقی تاریخ کی کتابوں میں بہ کثرت اس کا ذکر آیا ہے اسی طرح ہندوستان میں بیوہ عورتوں کو ان کے شوہروں کے ساتھ جرم بے گناہی میں زبردستی جلا دیا جاتا تھا، جسے ''ستی'' کا نام دیا جاتا تھا۔ افسوس کہ دروغ گو ذرائع ابلاغ نے جہاد کے وسیع مفہوم کو صرف قتال میں محدود کر دیا ہے اور اسلام کی ایسی تصویر کھینچی گئی ہے، جس میں رواداری، تحمل، قوتِ برداشت اور دیگر اہل مذہب کے ساتھ حسن سلوک کی کوئی گنجائش ہی نہ ہو؛ بلکہ وہ چاہتا ہو کہ ہر ''غیر مسلم'' کو تہہِ تیغ کر دے، یہ لفظ جہاد کی نہایت ہی غلط اور خلافِ واقعہ توضیح ہے، جو اسلام کے سر ڈال دی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بہ حیثیت مجموعی غیر مسلموں کے تین طبقے ہیں، ایک تو وہ غیر مسلم جو مسلم ممالک میں آباد ہوں، ان کو ''ذِمی'' یا ''اہل ذِمہ'' کہا جاتا ہے، دوسرے وہ غیر مسلم جن کے ساتھ اقتدار میں شرکت اور بقاء باہم کے

اُصول پر مسلمان ایک ملک میں رہتے ہیں، اس طرح کے غیر مسلموں کے لئے فقہاء کے یہاں ''معاہد'' کی تعبیر ملتی ہے، یعنی وہ شخص جس سے عہد ہو چکا ہے، ان دونوں سے جہاد نہیں ہے؛ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی جان و مال کو مسلمانوں ہی کی جان و مال کی طرح قابل احترام قرار دیا ہے: ''دمائهم كدمائنا وأموالهم كأموالنا'' ہاں اگر یہ مسلمانوں پر زیادتی کریں تو اپنی مدافعت کرنا اور قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے ان سے ظلم کا بدلہ لینا جائز ہے، اور دنیا کے ہر قانون میں انسان کے لئے اس حق مدافعت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ جہاد اُن لوگوں سے ہے، جن سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ نہ ہو، وہ مسلمانوں کو اپنے دین پر عمل کرنے سے روکتے ہوں اور انھیں ان کے وطن سے بے وطن کرنا چاہتے ہوں، جیسا کہ اس وقت اسرائیل فلسطینیوں کے ساتھ کر رہا ہے، ایسے لوگوں کے خلاف اسلام نے قتال کی اجازت دی ہے اور یہ صرف اسلام کی بات نہیں، دنیا کے تمام مذاہب اور مہذب قوانین میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ جب کوئی قوم دوسری قوم پر زیادتی کرے تو اسے مدافعت اور دفاعی جنگ کرنے کا حق حاصل ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان خود جہاد کی حقیقت سے واقف ہوں، اس بات کو جاننے کی کوشش کریں کہ جہاد کیا ہے؟ جہاد کن قوموں سے ہے؟ اور جہاد کا موقع و محل کیا ہے؟ تاکہ اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں پیدا کی جا رہی ہیں اور جو زہر لوگوں کے ذہن میں بھی پیوست کیا جا رہا ہے، وہ پوری بصیرت کے ساتھ اس کا جواب دے سکیں اور لوگوں کو زہر کا تریاق فراہم کر سکیں، افسوس کہ اسلامی لٹریچر سے بے توجہی اور اسلام کے بارے میں حد درجہ ناآگہی کی وجہ سے ہمارا یہ حال ہو گیا ہے کہ ہم دوسرے کی غلط فہمی تو کیا دُور کرتے کہ خود ہی ان پروپیگنڈوں سے متأثر اور مرعوب ہوئے جاتے ہیں اور خود ہمارا ذہن شکوک و شبہات کی تاریکی میں بے سمت ہوا جاتا ہے، ہمیں ایسے حساس موضوعات پر قرآن و حدیث کا مطالعہ کرنا چاہئے، سلف کی تحریروں سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے اور اصحابِ نظر علماء سے صحیح صورتِ حال کو جاننے کی کوشش کرنی چاہئے۔

......✦......

ترمذی شریف کی عربی شرح العرف الشذی کے مرتب

مولانا محمد چراغ گوجرانوالہؒ

مولانا سید فضیل احمد ناصری

استاذ حدیث جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند

العرف الشذی سے کون نا آشنا ہوگا! ترمذی شریف کی شہرۂ آفاق عربی شرح۔ ہر وہ شخص جس نے دورۂ حدیث پڑھا ہو، جس نے حدیث کی کتابیں پڑھائی ہوں، جس کا اوڑھنا بچھونا حدیث اور فن حدیث ہو یا رہا ہو، وہ اس نام سے بہ خوبی آگاہ ہے۔ آگاہ ہی نہیں، بلکہ مستفید بھی۔ اس کے مصنف ہیں مولانا محمد چراغ گوجرانوالہ۔ امام العصر علامہ کشمیری کے تلمیذ رشید۔ طالب علمی کے ابتدائی دور سے ہی پختہ استعداد کے حامل۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیے ہوئے۔ جامعہ مظاہر علوم سے استفادہ کیے ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فارغ التحصیل۔ سریع المطالعہ، وسیع العلاقہ۔ خوش نویس ایسے کہ کشمیری الامام حیرت کناں۔ جامعہ عربیہ گوجرانوالہ کے مؤسس و مدیر، جمعیۃ اتحاد العلماء کے بانی و صدر۔ جمعیۃ علمائے ہند کے ذمے دار۔ مجلس احرار اسلام کے پانچویں ڈکٹیٹر۔ مجسم رافت، پیکرِ امانت، گوں ناگوں کمالات سے عبارت۔ تہ دار اور ہمہ جہت شخصیت۔ حرکت و فعالیت کا جلی عنوان، جسے حق سمجھا برملا کہہ دیا۔ نہ ستائش کی تمنا، نہ صلے کی پروا۔ گجرات کی خاک سے اٹھے اور گوجرانوالہ پہنچ گئے۔ مستقر بھی وہیں رہا اور مستودع بھی وہیں بنا۔ 95/ برس کی عمر پائی، مگر عصائے پیری کی منت کشی سے محفوظ۔ 1953ء میں تحفظ ختم نبوت کی تحریک میں جیل بھی کاٹی۔ ملکی سیاست کی کوچہ گردی بھی کی۔ تحریک خلافت میں حصہ بھی لیا، بلکہ مولانا محمد علی جوہر کی صدارت میں ایک اجلاس سے خطاب بھی کیا۔ جیے تو ہر طرف روشنی بکھیری، گئے تو اس طرح کہ ہر واقف حال پکار اٹھا:

ایک روشن دماغ تھا، نہ رہا ✦ شہر میں اک چراغ تھا، نہ رہا

مولانا کا حلیہ

خوش وضع، خوش گفتار، خوش بدن، خوش لباس، بلند قامت، سرو قد، بیضوی چہرہ، ستواں ناک، سنہرا

نقش ونگار، عبا در بر، عمامہ برسر، موٹے شیشے کا چشمہ، اس کے عقب سے جھانکتی ہوئی رعب دار آنکھیں، سراپا مہذب اور دل کش شخصیت۔

مولانا کی ولادت

مولانا کی ولادت 14 / جمادی الاولی 1314ھ مطابق 20 / نومبر 1896 / کو موضع دھکڑ ضلع گجرات، صوبہ پنجاب میں ہوئی۔ گوجر برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی پرورش ایک دیہاتی ماحول میں ہوئی۔ تصنع اور تکلفات سے پاک۔ والد گرامی کا نام حافظ کرم دین بن میاں غلام رسول تھا۔ پیشے سے کسان، مگر دین کے بے حد شیدائی۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے محب شدید۔ مثنوی مولانائے روم اور دیوان حافظ عموماً پاس رکھتے۔

تعلیمی مشاغل

بچپن اپنے وطن دھکڑ میں ہی گزارا۔ سات سال کے ہوئے تو وقت کے بزرگ اور خدا رسیدہ عالم دین مولانا محمود گنجوی سے ایک بڑی تقریب میں ان کی بسم اللہ کرائی گئی۔ قرآن کریم اپنے والد گرامی سے پڑھا۔ اس کے بعد لاہور مدرسہ نعمانیہ میں تشریف لے گئے جہاں ان کے برادر اکبر مولانا محمد سراج صاحب موجود تھے۔ وہاں انہوں نے چار سال رہ کر عصری تعلیم پائی۔ اسی دوران فارسی کی تعلیم اپنے بھائی مولانا محمد سراج اور مولانا محمد عالم آسی سے حاصل کی۔ آسی صاحب قادیانیت کے کٹر دشمن اور سخت جاں حریف تھے۔ الکاویہ علی الغاویہ انہیں کی تصنیف لطیف ہے، جو رد مرزائیت میں لکھی گئی۔ زبردست خوش خط بھی تھے۔ آسی المغفور سے انہوں نے فارسی کی بڑی کتابیں پڑھنے کے ساتھ خوش نویسی بھی سیکھی۔

عربی علوم وفنون کی ابتدا قریبی گاؤں موضع گنجہ میں ہوئی۔ مولانا سلطان محمود گنجوی مولانا محمد چراغ صاحب کے استاد زادے تھے، بعد میں سمدھی بھی بنے۔ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کے تلامذہ میں۔

عجیب بات یہ ہے کہ وہ اپنے والد مولانا محمود کے بھی استاذ تھے۔ اپنے والد کو انہوں نے سراجی پڑھائی تھی۔ مولانا نے اپنے استاد زادے سے متعدد کتابیں پڑھیں۔ علم صرف مکمل پڑھا۔ علم نحو شرح جامی تک اور علم منطق شرح تہذیب تک انہیں سے پڑھا۔ یہاں کا قیام ڈھائی سالہ رہا۔ مولانا گنجوی کی شفقتیں بارش کی طرح برستی رہیں۔ مولانا وہاں سے نکلے تو ان کی استعداد کافی محکم ہو چکی تھی۔

سہارنپور کا سفر

سہارنپور کا غلغلہ ہو چکا تھا، وہاں کے علمی مراکز طالبان علوم کے قلوب کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔ شہرت سن کر مولانا بھی کھنچے۔ پہلے دیوبند کا رخ کیا۔ شاید وہاں دل نہیں لگا تو مظاہر علوم گئے اور شرح وقایہ کی جماعت میں داخلہ لیا۔ علم حدیث میں مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کی طوطی بول رہی تھی، ان کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ مولانا عبدالرحمنؒ بہبودی والے اور مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ مولانا کاندھلوی وادئ تدریس کے ابھی نو وارد ہی تھے۔ شوال 1328ھ سے انہوں نے پڑھانا شروع کیا تھا۔ مولانا محمد چراغ صاحب درس گاہ میں پہونچے تو ابتدائی ایام میں ہی استاد نے اپنے شاگرد کی ذہانت کو تاڑ لیا۔ پنجاب اس زمانے میں علم وفضل کا مرکز تھا۔ وہاں کے طلبہ اپنی جماعت میں ممتاز رہتے۔

مظاہر علوم کا ترک۔ مولانا ولی اللہ انہیؒ شریف والے کی خدمت میں

مولانا کا دل غالباً سہارنپور میں بھی نہیں لگا اور صرف ایک ہفتہ ہی وہاں قیام رہا۔ وہاں سے لاہور پہونچے اور ایک پٹھان مولوی سے انہوں نے ایک ہی ماہ میں رستم اور میر قطبی پڑھی۔ پھر اپنے وطن دھکڑ چلے گئے۔ پنجاب میں اس وقت دو شخصیات علوم اسلامیہ کا محور تھیں۔ ایک تو مولانا غلام رسول خان انہی شریف اور دوسرے دندہ شاہ بلاول ضلع اٹک میں مولانا ولی اللہ صاحبؒ۔ مولانا نے بزرگ شخصیت مولانا غلام رسول خان صاحبؒ سے رابطہ کیا اور ان کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کرنے کی درخواست کی۔ خان صاحب نے اپنے شاگرد مولانا ولی اللہ صاحب سے کہا کہ انہیں اپنے پاس لے جائیں اور وہیں انہیں پڑھائیں لکھائیں، مولانا ولی اللہ صاحبؒ اپنے ساتھ لے گئے اور ان کی ایسی تعلیم وتربیت کی کہ مولانا محمد چراغ اپنے دور کے چراغ ہدایت بنے۔ دندہ شاہ بلاول میں مولانا نے تین سال گزارے اور موقوف علیہ تک کی تعلیم انہیں کے زیر سایہ پائی۔

مولانا ولی اللہ صاحبؒ ایک زمانے تک اپنے وطن انہی شریف میں بھی تشنگان علم وادب کو سیراب کرتے رہے۔ ان کا علم بڑا مضبوط اور پڑھانے کا اسلوب بڑا ہی نرالا تھا۔ کتابیں اس انداز سے پڑھاتے کہ طلبہ کے لیے پورا مضمون حلوۂ سیال بن جاتا۔ ان کے فیض یافتگان کی دھوم دارالعلوم دیوبند میں بھی مچی ہوئی تھی۔ وہاں سے آنے والے طلبہ کا امتحان داخلہ نہیں ہوتا تھا۔ بقول حافظ محمد عارف صاحب:

’’ایک موقع پر حضرت شاہ صاحب (مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ) نے فرمایا: انہی

والے مولوی صاحب کا ہم پر احسان ہے کہ وہ ایسے ذی سواد طالب علم بھیج دیتے ہیں، جو ہماری باتوں کو سمجھ سکتے ہیں۔'' (مجلہ الشریعہ، 1989)

دارالعلوم دیوبند میں

مشکوٰۃ شریف کے سال میں دارالعلوم دیوبند جانے کی خواہش نے ایک بار پھر زور لگایا۔ اس کا ذکر اپنے استاد مولانا ولی اللہ صاحبؒ سے بھی کر دیا۔ وہ بہت خوش ہوئے اور روانگی کے وقت اپنی جیب سے 11/ روپے بھی عطا کیے۔ اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ استاذ کے دل میں شاگرد کے تئیں ان کی محبت وشفقت کس مقام پر تھی۔

مولانا مرحوم شوال 1336ھ میں دارالعلوم پہونچے۔ شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہویؒ نے داخلے کا امتحان میبذی پڑھوا کر لیا اور معیاری نمبرات سے نوازا۔ دورۂ حدیث شریف میں داخلہ ہوا اور محنت سے پڑھنا شروع کیا۔ یوں تو سارے ہی اساتذہ ان کے ممدوح رہے، مگر سب سے زیادہ جس سے متاثر رہے وہ تھے: حَبر ہمام بحر قمقام امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ۔ علامہ کشمیریؒ سے انہوں نے بخاری اور ترمذی شریف، حافظ احمد نانوتویؒ سے مسلم شریف، میاں سید اصغر حسین دیوبندیؒ سے ابوداؤد، مولانا رسول خان ہزارویؒ سے سنن ابن ماجہ، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے سنن نسائی، مفتی عزیز الرحمنؒ سے مؤطا امام مالک، موطا امام محمد، طحاوی شریف پڑھی۔ مولانا نے دورۂ حدیث کے امتحانِ سالانہ میں جو نمبرات حاصل کیے، دارالعلوم کے شکریے کے ساتھ پیش خدمت ہیں:

نمبر شمار	کتب امتحان	حاصل کردہ نمبرات	نمبر شمار	کتب امتحان	حاصل کردہ نمبرات
1	ابن ماجہ	50	7	تفسیر مدارک	43
2	ترمذی شریف	49	8	مسلم شریف	42
3	مؤطا امام محمد	48	9	طحاوی شریف	41
4	ابوداؤد شریف	46	10	بخاری شریف	41
5	درمختار	46	11	مؤطا امام مالک	40
6	نسائی شریف	45	12	شمائل ترمذی شریف	39

علامہ کشمیریؒ کے درس میں عبارت خوانی کا اعزاز

مولانا کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ علامہ کشمیری کے درس میں بخاری شریف کی عبارت بار بار پڑھنے

کی سعادت ملی۔ وہ خود فرماتے ہیں:

حضرت شاہ صاحب کے درس کا جب آغاز ہوتا تو طلبہ کی نشستیں مختص ہو جاتیں، چناں چہ میری اور مولانا محمد مظفر جہلمی مرحوم کی نشست حضرت شاہ صاحب کے بالکل سامنے ہوتی۔ ہم دونوں کی زبان عبارت پڑھنے میں تیز تھی، آپ نے ارشاد فرمایا: بھئی! چراغ تلے ہمیشہ اندھیرا ہوتا ہے۔ اگر تم نماز بھی اسی طرح پڑھتے ہو تو تمہاری نماز بھی درست نہیں ہوتی۔ اس کے بعد ہم نے اپنی زبان کی تیزی پر قابو پانے کی بھرپور کوششیں شروع کر دیں۔ (علامہ کشمیری کے متوسلین وتلامذہ، ص:118)

علامہ کشمیریؒ نے میری شخصیت کو ایک نیا رنگ عطا فرمایا

علامہ کشمیری سے انہوں نے دو سال پڑھا۔ پہلے سال تو باقاعدہ، اور دوسرے سال شاہ صاحب کی فرمائش پر۔ جس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔ علامہ کشمیری سے اس دو سالہ استفادے نے انہیں نکھار کر رکھ دیا، جس کا احسان وہ زندگی بھر مانتے رہے۔ حافظ محمد ادریس، منصورہ لاہور سے ایک ملاقات میں فرمایا:

''حضرت شیخ انور شاہ کشمیریؒ نے میری شخصیت کو ایک نیا رنگ اور نیا رخ عطا فرمایا۔ میں زندگی میں سب سے زیادہ انہیں سے متاثر ہوا۔ وہ بھی مجھ پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے اور میں آج بھی ان کی محبت کو یاد کر کے لطف اٹھاتا ہوں۔'' (المصباح، خصوصی شمارہ، ص:21)

دار العلوم سے فراغت اور العرف الشذی کی تقریب

مولانا کی فراغت 1337ھ مطابق 1919ء میں ہوئی۔ رفقائے درس میں مشہور علمی شخصیت مولانا غلام غوث ہزارویؒ اور رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ بھی ہیں۔

مولانا مرحوم کی عربی بہت رواں دواں تھی۔ شستہ اور شگفتہ لکھتے۔ اردو تقریر کی تعریب برجستہ اور قلم برداشتہ کر ڈالتے۔ قیام دار العلوم کے دوران علامہ کشمیریؒ کے دروس بخاری بڑے اہتمام سے بہ زبانِ عربی لکھتے رہے۔ انہوں نے اپنے امالی کا نام السیح الجاری الی جنة البخاری رکھا۔ یہی مشہور زمانہ بیاض بعد میں العرف الشذی کی تالیف کا ذریعہ بنی۔ ایک انٹرویو میں مولانا نے خود ہی فرمایا:

''میرے دیوبند کے سال کا آخر تھا۔ میں بخاری کی تقریر لکھ رہا تھا۔ میرے ساتھ شیخ عبد الغفور موصلی جو کہ ترکستان سے مہاجر ہو کر آئے تھے اور دورۂ حدیث میں شریک تھے، انہوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ بخاری کی تقریر کی ایک نقل تحریر کر کے انہیں دوں، چناں چہ میں نے شاہ

صاحب کی تقریر بخاری کی ایک نقل انہیں لکھ دی۔ انہوں نے وہ نقل حضرت شاہ صاحب کو دکھائی۔ حضرت شاہ صاحب نے اسے بہت پسند فرمایا اور پوچھا کہ بھئی! یہ کس نے لکھی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ شیخ سراج فنجابی نے۔ شاہ صاحب نے مسرت کا اظہار فرمایا اور فرمایا: میں تو نہیں سمجھتا تھا کہ اس زمانے میں بھی ایسے ذی سواد لوگ ہیں۔

چناں چہ شاہ صاحب نے انہیں ہدایت کی کہ مجھے گھر سے دیوبند آنے کے لیے کہا جائے تا کہ میں ان کی ترمذی شریف کی تقریر لکھوں، چناں چہ انداز اً 1334ھ (1) میں حضرت شاہ صاحب کی طلبی پر میں گجرات سے دیوبند گیا اور پھر حضرت شاہ صاحب کی ترمذی کی تقریر درس میں بیٹھ کر لکھنا شروع کیا۔ حضرت شاہ صاحب اردو میں یہ تقریر فرماتے اور میں اسے عربی میں لکھتا جاتا۔ حضرت شاہ صاحب کی اردو بھی عربی کے قریب ہوتی تھی۔ ترمذی کی یہ تقریر العرف الشذی کے نام سے مکمل ہوئی۔ یہ کتاب حکیم محفوظ علی صاحب نے دیوبند سے چھپوائی ہے۔" (علامہ کشمیری کے متوسلین وتلامذہ، ص:118)

مزید باتیں مولانا محمد عارف صاحب مدرس جامعہ عربیہ گوجرانوالہ کے قلم سے سنیے:

"تقریر بخاری کو دیکھنے کے بعد حضرت شاہ صاحب نے مولانا محمد مظفر صاحب جہلمی (مولانا محمد چراغ صاحب کے دوست، جو اس وقت دیوبند ہی میں رہائش پذیر تھے) کو فرمایا کہ محمد چراغ کو خط لکھو کہ آ کر میری تقریر ترمذی نوٹ کرے۔ چناں چہ رمضان المبارک کے بعد آپ نئے تعلیمی سال کے آغاز ہی میں دیوبند حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور تقریر ترمذی کو ضبط میں لانا شروع کر دیا۔ اسی دوران ساتھ ہی شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب سے عربی ادب کی تکمیل کی۔ تقریر ترمذی (جو بعد میں العرف الشذی کے نام سے مشہور ہوئی) کے آپ نے دو نسخے تیار کیے۔ ایک حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے اور ایک اپنے لیے۔ جو نسخہ حضرت شاہ صاحب کے پاس رہا اس پر اپنے قلم سے کئی مقامات پر مختصر حواشی تحریر کیے، جو بعد میں دوسرے نسخے پر بھی منتقل کر لیے گئے۔ العرف الشذی کی تالیف پر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری کس قدر خوش ہوئے اور آپ نے اسے کس قدر پسند فرمایا، اس امر کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ دوسرے سال حضرت شاہ صاحب نے مولانا محمد چراغ صاحب سے کہا کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب رہا ہو کر تشریف لے آئے

(1) یہ بات 1334 کی نہیں، بلکہ 1337ھ کی ہے، کیوں کہ مولانا کی فراغت 1337ھ میں ہوئی۔

ہیں، آپ اس سال حضرت شیخ الہند کی تقریر ترمذی بھی نوٹ کریں۔ اس حکم کی تعمیل کی خاطر آپ پھر دیوبند حاضر ہوئے، لیکن دوبارہ سیاسی سرگرمیوں میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے حضرت شیخ الہند اس دفعہ ترمذی شریف کی تدریس شروع نہ کر سکے۔ خیال تھا کہ جب حضرت شیخ الہند سیاسی سرگرمیوں سے فارغ ہو کر ترمذی شریف پڑھانا شروع کریں گے تو مولانا محمد چراغ صاحب ان کی تقریر کو ضبط تحریر میں لانا شروع کر دیں گے، لیکن چند ماہ بعد ہی حضرت شیخ الہند اس دار الفنا کو چھوڑ کر عازم دار البقا ہو گئے۔" (احتساب قادیانیت ص: 135,134، ج: 52)

تدریسی سرگرمیاں اور علامہ کشمیریؒ کا اظہار مسرت

شیخ الہند کی تقریر ترمذی لکھنے کی نوبت نہیں آئی تو امام کشمیریؒ نے مولانا سے کہا کہ یہیں دار العلوم کے کتب خانے میں رہ کر مصنف عبد الرزاق کے قلمی نسخے کی کتابت کر دو! مولانا نے کہا کہ خطاط کے بجائے مدرس بننا پسند کروں گا۔ ان دنوں شاہ صاحب کے پاس میرٹھ کے ایک ادارے کے لیے ایک استاد کی فرمائش کی گئی تھی۔ یہ ادارہ حضرت مولانا سید بدر عالم میرٹھی کے والد جناب سید تہور علی ریٹائرڈ سی آئی ڈی انسپکٹر کے زیر اہتمام چلتا تھا، اس عدیم النظیر ہستی نے انہیں میرٹھ بھیج دیا۔ وہاں انہوں نے جلالین اور ابوداؤد شریف وغیرہ کتابیں پڑھائیں، مگر قیام ایک سال سے زیادہ نہ رہ سکا۔ وطن واپس لوٹ گئے۔ دریالہ ضلع جہلم میں مولانا نجم الدین کا مڈل اسکول تھا۔ اسی میں ایک سال پڑھایا۔

پیر سید جماعت علی شاہ کے مدرسے میں

وہاں کی مدرسی ابھی جاری ہی تھی کہ دار العلوم دیوبند کے نائب مہتمم مولانا حبیب الرحمن عثمانی صاحبؒ کا رقیمۂ قیمہ آیا کہ پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری کے مدرسے میں علی پور سیداں شریف ضلع سیالکوٹ چلے جائیں، حکم پا کر وہاں چلے گئے۔ (علامہ کشمیری کے متوسلین وتلامذہ، ص: 114)

پیر جماعت علی شاہ صاحب مظاہر علوم سہارنپور کے فاضل تھے۔ بریلویت سے انسلاک تھا، اپنے حلقے میں امیرِ امت اور محدث علی پوری کہلاتے تھے۔ البتہ علمائے دیوبند کی تکفیر کے قائل نہیں تھے۔ دیوبندی بریلوی اختلاف کو فروعی اختلاف مانتے تھے۔

جامعہ فتحیہ اچھرہ میں مدرسی

علی پور سے لاہور چلے آئے اور جامعہ فتحیہ اچھرہ میں ڈھائی سال قیام کیا۔ وہاں انہوں نے اور کتب

کے ساتھ دیوان حماسہ بھی پڑھائی۔ اسی دوران وہاں پنجابی ادب کی کتاب پیر وارث شاہ کا مطالعہ کیا، کیوں کہ پنجابی ادب اور عربی کے قدیم اشعار میں بہت سی باتیں ملتی جلتی تھیں۔ 1924ء تک وہاں تدریس چلی۔

شیراں والا باغ میں بہار علم کی تقسیم

یہاں سے نکل کر مدرسہ انوار العلوم شیراں والا باغ گوجرانوالہ چلے گئے اور 1924 سے 1936ء تک مسند درس کو رونق بخشی اور بارہ سال تک علم وعرفان کی بے بہا دولت طالبان علوم میں تقسیم کرتے رہے۔

جامعہ عربیہ گوجرانوالہ کا قیام

یکم جنوری 1936ء کو مسجد ارائیاں والی بیرون کھیالی دروازہ گوجرانوالہ میں مدرسہ عربیہ کی بنیاد رکھی۔ مولانا مفتی خلیل احمد اور آپ نے باہم مشورے سے یہاں درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا اور 1967ء تک لگاتار اس میں خدمات انجام دیتے رہے۔ مولانا مرحوم ہی اس کے کرتا دھرتا تھے۔ مہتمم بھی، مدرس بھی اور جمعہ کے خطیب بھی۔ ادارہ بہت جلد مشہور ہو گیا۔ ملک و بیرون ملک کے تشنگان علم پروانے کی طرح گرنے لگے۔ طلبہ کے زبردست رجوع کے باعث مسجد تنگ ہوگئی۔ علم کے بہت سے دیوانوں کو مدرسے دور رہنا پڑتا تھا، ناچار اس کی منتقلی کا فیصلہ کیا گیا۔ اب یہ ادارہ گوجرانوالہ سے لاہور جانے والی سڑک جی ٹی روڈ کی مغربی سمت پر نہرا پر چناب کے قریب تقریباً ایک ایکڑ شمال میں انتہائی پُرفضا مقام پر ہے۔ زمین وسیع وعریض اور عمارات بلند وبالا ہیں۔ یہ ادارہ یہاں آکر مدرسہ سے جامعہ بن گیا۔ جامعہ عربیہ میں درس نظامی مکمل پڑھایا جاتا ہے۔ دورۂ حدیث پہلے نہیں تھا۔ 1973ء سے اس کا آغاز ہوا۔ مولانا معین الدین خٹک اس کے پہلے شیخ الحدیث تھے۔

مولانا محمد چراغ صاحب زیادہ تر فقہ وادب عربی اور تفسیر وحدیث پڑھاتے۔ 1967ء سے مولانا کی خدمات تاحین حیات یہیں جاری رہیں اور متواتر اس کا منصب اہتمام ان کے دوش توانا پر قائم رہا۔

علامہ کشمیریؒ کی مولانا سے محبت

مولانا کی زندگی پر علامہ کشمیریؒ کی بڑی گہری چھاپ رہی۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے پہلے فرزند کا نام اپنے استاذ کے نام پر ہی انور رکھا، جو بعد میں جامعہ عربیہ گوجرانوالہ کے کامیاب مہتمم بنے۔ امام ہمام اپنے اس شاگرد پر بڑے مہربان تھے۔ شفقت کا یہ عالم کہ ان کا تعہد بھی فرماتے تھے۔ خواجہ عبدالغنی لکھتے ہیں:

''علامۃ العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری مولانا محمد چراغ پر خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ ایک

دفعہ امرتسر کی ایک انجمن نے دارالعلوم دیوبند کو لکھا کہ فلاں فلاں طلبہ کی درخواستیں وظائف کے لیے ہمیں ملی ہیں، کیا ان کے وظائف جاری کر دیے جائیں؟ جب یہ چٹھی حضرت شاہ صاحب کے پاس پہونچی تو انہوں نے مولانا محمد چراغ کا نام اس فہرست میں خود درج کر دیا، حالاں کہ انہوں نے کوئی درخواست نہ بھیجی تھی۔

بعد میں مولانا حبیب الرحمن مہتمم دارالعلوم دیوبند نے مولانا محمد چراغ کو بتایا کہ ان کا وظیفہ انجمن کی طرف سے کئی ماہ سے آ رہا ہے، اس کا کیا کیا جائے؟ تو مولانا نے وہ وظیفہ دارالعلوم میں جمع کرا دیا، کیوں کہ اسی دوران آپ میرٹھ میں مدرس لگ چکے تھے۔''

(علامہ کشمیری کے متوسلین وتلامذہ، ص:114)

یہ تو خیر زمانۂ طالب علمی کی بات ہے۔ فراغت کے فوری بعد کے قصے تو آپ سن ہی آئے ہیں۔ کافی عرصے بعد بھی ان پر کرم گستری کا سلسلہ دراز رہا۔ اس کی ایک جھلک پھر دیکھتے جائیے! حافظ محمد عارف صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا محمد چراغ رحمہ اللہ تو اپنے شیخ مولانا محمد انور شاہ کشمیری سے عشق کی حد تک لگاؤ رکھتے تھے اور ان کی باتیں لطف لے کر بیان کرتے تھے۔ حضرت شیخ کے نزدیک اپنے شاگرد کا کیا مرتبہ تھا اس کا اندازہ اس واقعے سے لگایا جا سکتا ہے جس کے راوی مولانا محمد یوسف مرحوم امرہ کلاں گجرات ہیں:

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب مرحوم جامع مسجد گوجرانوالہ تشریف لائے۔ ان کے تلامذہ اور دیگر عقیدت مند لوگ اور علما جوق در جوق بغرض ملاقات آنا شروع ہو گئے۔ حضرت شاہ صاحب مرحوم سب سے بیٹھے بیٹھے مصافحہ کر رہے تھے۔ حضرت مولانا محمد چراغ صاحب جب حاضر ہوئے تو فرمایا: ٹھہرو، مجھے پان لگا لینے دو، پھر پان منہ میں رکھا، ہاتھ صاف کیے اور کھڑے ہو کر آپ کے ساتھ معانقہ کیا۔ (ماہنامہ چراغ اسلام، اپریل رمئی 1989ء)

عیسائیت کے خلاف تحریک اور علامہ کشمیریؒ سے مشورہ

ملک ابھی آزاد نہیں ہوا تھا۔ عیسائی مشنریاں مسلمانوں کو دام تزویر میں پھانسنے کے لیے مختلف ہتھکنڈے اپنا رہی تھیں۔ ان کے خلاف مسلمانوں نے بھی تحریکیں چھیڑ رکھی تھیں۔ عیسائی مبلغین کے ساتھ مناظرے کا بھی سلسلہ تھا۔ عیسائیت کے رد میں مولانا بھی میدان میں آنا چاہ رہے تھے۔ انہوں نے شفیق استاد کشمیری الامام سے مشورہ لیا تو حضرت نے فرمایا کہ عیسائیت شکنی کے لیے اظہار الحق، ازالۃ الشکوک،

ازالۃ الاوہام، الاستقصا اور عہد نامہ قدیم کے منتخب مقامات دیکھ لو۔ اول الذکر تین کتابیں مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی ہیں، جب کہ چوتھی کتاب آل حسن شیعہ کی ہے۔ ان کتابوں کا مطالعہ مولانا کے کام آیا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے عیسائیوں کے ساتھ مناظرہ کیا تو مولانا مرحوم ان کے معاون تھے۔ اسی طرح مولانا شمس الحق افغانی نے عیسائیوں سے مناظرہ کیا تو ان کی علمی معاونت مولانا نے کی تھی۔

قادیانیت کے خلاف مولانا کی خدمات

عیسائیت کے طوفان کے ساتھ قادیانیت کی سونامی بھی قہر ڈھانے لگی تھی۔ ہندوستان کے مسلمانوں پر حربی، فکری اور اعتقادی یلغاروں کا ایک قہرناک سلسلہ تھا۔ قادیانیت اسی سلسلے کی ایک منحوس کڑی تھی۔ عیسائیت سے متاثر ہونا مسلمانوں کے لیے مشکل تھا، مگر فتنۂ مرزائیت کے تار و پود کچھ ایسے تھے کہ سادہ لوح مسلمان ہی کیا، بہت سے پڑھے لکھے لوگ بھی اس کی زد میں آ چکے تھے۔ مولانا عبدالماجد دریابادی، شاہ عبدالقادر رائے پوری اور ڈاکٹر اقبال جیسے نامور اشخاص بھی اس کے فریب سے نہ بچ سکے۔ یہ تو علمائے لدھیانہ اور پھر علامہ کشمیریؒ کا فیضان ہے کہ قادیانیت کو دیوار سے لگا دیا گیا۔ کشمیری المغفور کے تلامذہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کی ذریت کو کچلنے کے لئے میدان جنگ میں اتر چکے تھے۔ انہیں میں سے مولانا محمد چراغ مرحوم بھی تھے۔ انہوں نے فرنگ کے اس خود کاشتہ پودے کی بیخ کنی کو اپنا مشن بنالیا، بلکہ اس مسئلے میں علامہ کشمیری کی جانشینی حق ادا کر دیا۔ اس مہم کو سرانجام دینے کے لیے مولانا نے اسفار تو کیے ہی، قلم سے بھی خوب کام لیا۔ ان کی کتاب ''چراغِ ہدایت'' قادیانیت شکنی کے موضوع پر انتہائی اہم کتاب ہے۔ قادیانی بچنگڑے اس کے نام سے ہی کانپتے ہیں۔ پونے تین سو صفحات کی یہ کتاب اتنی شان دار اور مدلل ہے کہ اس کا مطالعہ ہی قاری کو پورا مناظر بنا دیتا ہے۔ کتاب کے علاوہ ان کے مضامین مختلف اخبارات و جرائد میں بھی شائع ہوئے، جن کی تعداد 35/ تک پہونچتی ہے۔ یہ مضامین الہلال، زمیندار، الفرقان بریلی، مجاہد، الارشاد، شمس الاسلام اور دوسرے رسائل میں چھپے۔ ان مضامین کا مجموعہ کم از کم دو ضخیم جلدوں میں تیار ہوسکتا ہے۔ 1931 سے 1940 کے درمیان یہ تحریریں شائع ہوئیں۔

قادیانیت کو دبوچنے کے لئے مولانا نے نہ صرف یہ کہ قلم اور قدم سے کام لیے، بلکہ اس کی سرکوبی کے لیے رجال کار بھی تیار کیے۔

اولادِ صالحین اور شاگردانِ رشید

اللہ تعالیٰ نے ان سے کارہائے نمایاں تو لئے ہی، اولاد اور شاگردوں کی دولت سے بھی خوب خوب

نوازا۔ چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں۔ بیٹوں کے نام یہ ہیں: مولانا انور قاسمی، محمد سعید، محمد حنیف، محمد منور۔ بیٹے سب قابل ہوئے اور اپنے فن کے پکے۔ بڑے صاحب زادے مولانا محمد انور قاسمی جامعہ عربیہ گوجرانوالہ کے مہتمم بنے۔ دوسرے فرزند محمد سعید انگلینڈ چلے گئے۔ تیسرے لڑکے مولانا حافظ محمد حنیف مکتبہ ''چراغِ اسلام'' کے مالک بنے، کئی کتابوں کے ترجمے بھی کئے۔ چوتھے صاحب زادے محمد منور بھی عالم و فاضل ہوئے۔ فرزندوں میں اب صرف مولانا محمد حنیف صاحب حیات ہیں اور ایک لڑکی سعیدہ۔ بقیہ سب اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے۔ رہی بات آپ کے شاگردوں کی تو وہ ہزاروں میں ہیں۔ بہت سے خوب نامور ہوئے، جن کے کارنامے جریدۂ عالم پر ثبت ہیں۔ ان میں مولانا مفتی عبدالواحد مرکزی مسجد شیراں والا باغ، مولانا محمد حیات، قاضی عصمت اللہ، مولانا عبدالخالق طارق، مولا عبداللطیف، مولانا منظور احمد چنیوٹی اور مولانا مفتی نذیر احمد جیسے جید علما شامل ہیں۔

وفات حسرت آیات

مولانا اخیر میں شوگر اور بواسیر کے مریض ہو گئے تھے، مگر تفریح کی عادت نے اسے حد سے بڑھنے نہیں دیا۔ 10 / رمضان کو بیمار پڑے اور نقاہت بڑھتی چلی گئی۔ کمزوری سے بار بار غشی طاری ہو جاتی۔ افاقہ ہوتا تو فوراً کہتے کہ بھائی مجھے وضو کراؤ، حالاں کہ وہ نماز ادا کر چکے تھے۔ جب گھر والے کہتے کہ نماز تو آپ پڑھ کر چکے ہیں، بے ہوشی کے عالم میں بھی لیٹے لیٹے نماز کے لئے ہاتھ باندھ لیتے۔ علم و حکمت اور حرکت و عمل کا یہ چراغ 14 / رمضان 1409ھ مطابق 21 / اپریل 1989ء کو آخری لو دے کر بجھ ہی گیا۔ خلقِ کثیر ان کی زیارت کے لئے امڈ پڑی۔ دعائے مغفرت کے لئے ہزار ہا ہزار لوگ ان کے جنازے میں شریک ہوئے۔ نماز جنازہ مولانا عنایت اللہ شاہ بخاری گجراتی نے پڑھائی۔ نماز پڑھاتے ہوئے جب انہوں نے کہا: ''اللهم اغفر هذا العبد محمد چراغ'' تو سسکیاں بلند ہو گئیں، خود بھی روئے، مجمع کو بھی رلایا۔ قبر جامعہ عربیہ کے احاطے میں بنائی گئی۔ ان کے مرقد پر جانے والا ایک زمانے تک یہی محسوس کرتا رہا گویا وہ اس کے کان میں کہہ رہے ہوں:

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں ✦ بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لیے

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ان جیسا چراغ پھر محفل میں فروزاں نہیں ہوا:

بجھے کیا کیا چراغِ خانماں افروز کیا کہیے ✦ کہ جن کی یاد سے دل میں اک آتش خانہ روشن ہے

......✦......

مصنوعی ذہانت بطور معاونِ فتویٰ نویسی

ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی

کیا مصنوعی ذہانت بطور معاون فتویٰ نویسی میں مدد فراہم کرسکتی ہے؟

اگر چہ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ فتویٰ صادر کرنے کی ذمہ داری تربیت یافتہ علمائے کرام ہی انجام دیں جن کے پاس شرعی قوانین کی تشریح کرنے کی قابلیت اور تجربہ ہو، مگر اس بات پر ذہن سازی کی جارہی ہے کہ مصنوعی ذہانت کو بطور معاون سمجھا جائے جو کہ مفتیانِ کرام کو ان کے فتویٰ کے موضوع پر تحقیق کرنے، متعلقہ قانون تک رسائی، مواد و معلومات کا تجزیہ کرنے اور درست فتویٰ صادر کرنے میں مدد فراہم کرسکے گی۔ (حوالہ: ویب سائٹ اسلامک فنانس کنیکٹ)

ہماری رائے میں یہ باتیں تکنیکی طور پر درست نہیں اور یہ ساری صلاحیتیں مصنوعی ذہانت میں نہیں پائی جاتیں، لہٰذا اگر مفتیانِ کرام اپنے فتویٰ کی بنیاد مصنوعی ذہانت کی فراہم کردہ معلومات یا تجزیہ پر رکھیں گے، اور بطور معاون اس سے اپنے تحقیقی کام میں معاونت حاصل کریں گے تو اس میں لازمی خرابی آئے گی اور فتویٰ کی بنیاد درست نہ ہوگی۔

اردن کے دارالافتاء کی ویب سائٹ یعنی ”دائرة الإفتاء العام الأردنية“ پر ایک مضمون بعنوان ”مصنوعی ذہانت: معاون یا مفتی؟“ شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں یہ کہا گیا ہے کہ مصنوعی ذہانت کسی مفتی کا متبادل نہیں ہوسکتی، البتہ مفتیانِ کرام کے لیے مصنوعی ذہانت کو بطور آلہ استعمال کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

”مصنوعی ذہانت کا فتاوی میں دو طریقوں سے استعمال ہے:

پہلا: مفتیانِ کرام کا مصنوعی ذہانت کو بطور آلہ استعمال کرنا مثلاً فتووں کا مسودہ تیار کرتے ہوئے، مختلف مذاہب کی فقہی آراء کو ڈھونڈنا یا ملتے جلتے معاملات ڈھونڈنا۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ مفتیانِ کرام کتابوں کی مراجعت کرتے ہیں۔ اس طرح کا استعمال جائز ہے اور حتی کہ

فائدہ مند بھی ہے، کیونکہ یہ مفتیانِ کرام کو اُن کی تحقیق میں معاونت فراہم کرتا ہے بشرطیکہ یہ براہِ راست بنیادی مآخذ کا متبادل نہ بنے ۔

دوسرا: مصنوعی ذہانت کو مفتیانِ کرام کے متبادل کے طور پر استعمال کرنا، یعنی انسانی عالم کو مکمل طور پر ہٹانا اور اس کی جگہ مشین لگانا۔ یہیں سے اختلاف شروع ہوتا ہے۔ اس کی اجازت دینے والوں کا اور منع کرنے والوں کا۔"

قارئین! مذکورہ بالا مضمون سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اس مضمون کو لکھنے والے صاحبِ علم کو مصنوعی ذہانت کی خامیوں کا گہرائی میں علم نہیں، جب ہی انہوں نے یہ گمان کرلیا کہ مصنوعی ذہانت مسودہ تیار کرنے ،فقہی مذاہب کی آراء ڈھونڈنے اور دیگر معاملات میں مفتیانِ کرام کی فتویٰ نویسی میں معاونت فراہم کرسکتی ہے۔ سائنسدانوں اور محققین کی سائنسی تحقیقات کی بنیاد پر یہ بات واضح ہے کہ مصنوعی ذہانت (لارج لینگویج ماڈلز بالخصوص) کو معاونت کے کاموں میں بھی استعمال نہیں کرنا چاہیے۔

مصنوعی ذہانت کو فتویٰ نویسی میں بطور معاون استعمال کرنے والے صاحبانِ علم یہ دلیل دیتے ہیں کہ مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر نے مفتیانِ کرام کے لیے آسانی پیدا کردی ہے۔ اگر کسی مسئلہ کے متعلق تحقیق کرنی ہے تو چیٹ جی پی ٹی سے پوچھو، یہ پوری دنیا میں ہر زبان میں آج تک شائع ہونے والے مواد کو اپنے ذہن میں گھماتا ہے اور پھر آپ کو اس مسئلہ سے متعلق قرآنی آیات، احادیثِ مبارکہ، فقہی حوالہ جات، اور دیگر مواد کا خلاصہ فراہم کردیتا ہے، حتیٰ کہ مسالکِ اربعہ کی قدیم فقہی کتابوں کی عبارتیں تک مہیا کردیتا ہے۔ اس سے مفتیانِ کرام کو فتویٰ نویسی کے کام میں بہت آسانی پیدا ہوگئی ہے۔ یعنی پہلے دس دس تفاسیر کو دیکھنا پڑتا، بیسیوں احادیث کی کتابوں کو کسی مضمون سے متعلق مراجعت کرنی پڑتی ،فقہائے کرام کی کتابوں کو دیکھنا پڑتا تھا اور بعض مرتبہ وہ کتابیں آسانی سے دستیاب نہیں ہوتی تھیں۔ اب مصنوعی ذہانت (مثلاً چیٹ جی پی ٹی) کے مرہونِ منت زندگی آسان ہوگئی ہے اور اب مفتیانِ کرام اپنے بنیادی موضوع پر یکسوئی سے کام کرسکتے ہیں۔ نیز کسی فقہی موضوع پر فقہائے کرام کے اقوال پڑھے جاتے تھے اور پھر اس سے خلاصہ نکالنا اور مفتی بہ قول ڈھونڈنا بھی ایک طویل کام ہوتا تھا، اب بہت سہولت ہوگئی ہے، بس کسی پیچیدہ سے پیچیدہ فقہی مسئلہ سے متعلق ان مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر سے پوچھا تو دنیا جہاں کی کُتب کا خلاصہ مدلل اور نہایت اچھے اسلوب میں بیان کردیں گے۔ جب ایک عام انسان یہ دلائل سنتا ہے تو متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، کیونکہ وہ تجربہ کرکے دیکھتا ہے تو اس کو چیٹ جی پی ٹی واقعی معاون کے طور پر لگتی ہے۔ جب کہ سائنسی طور پر حقیقتِ حال اس کے قطعاً برعکس ہے۔

قارئین! اگر مصنوعی ذہانت کے ان سافٹ وئیر (لارج لینگوئج ماڈلز) کے کام کے طریقے کو سمجھ لیا جائے تو ان دعووں کی حقیقت سامنے آجائے گی۔ دیکھیے اگر ایک تخصص کا طالبِ علم کسی فقہی مسئلہ کے بارے میں جاننا چاہتا ہے تو لائبریری میں جا کر کُتب بینی کرے گا، تحقیق کرے گا، دسیوں کتابوں کی ورق گردانی کے بعد شاید اس کو اپنے مطلب کی بات مل سکے، شاید اس فقہی مسئلہ کا حل اس کو مل سکے۔ پھر بھی یقین سے یہ بات نہیں کہی جاسکتی کہ وہ محض کُتب بینی سے اپنے مطلوبہ مسئلہ کا جواب پا جائے۔ فقہی مسئلہ اگر مشکل ہے تو پھر وہ اپنے اساتذہ کا رُخ کرے گا اور پھر اساتذۂ کرام اس کی رہنمائی فرمائیں گے۔ اب مثلاً کوئی تخصص کا طالبِ علم حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہوگا اور فقہی مسئلہ کو سمجھنے کے لیے رہنمائی چاہے گا تو حضرت اپنے تجربہ کی بنیاد پر اس طالبِ علم کو یہ کہیں گے کہ فلاں کتاب دیکھ لو، یا فلاں فقہائے کرام کی رائے پر غور کرو تو مسئلہ کو فقہی تکییف کر پاؤ گے۔

اساتذہ سے رہنمائی کے بالمقابل اگر طالبِ علم انٹرنیٹ پر جا کر گوگل پر ڈھونڈے یعنی سرچ کرے گا تو کسی خاص موضوع پر اُس کو آن لائن کوئی کتاب ڈیجیٹل شکل میں مل جائے گی، کوئی مقالہ تحریر کیا ہوا مل جائے گا۔ یعنی انٹرنیٹ نے اس طالبِ علم کے لیے یہ سہولت مہیا کر دی کہ جو کُتب وہ لائبریری میں جا کر دیکھتا تھا، وہ ڈیجیٹل شکل میں انٹرنیٹ پر موجود ہیں۔ اب انٹرنیٹ سے اس کی رسائی عالمِ عرب اور دنیا بھر کی لائبریریوں تک ہوگئی اور وہ آسانی سے لاکھوں کتابوں کی ڈیجیٹل شکل تک رسائی حاصل کر سکتا ہے، مگر پھر بھی ان کتابوں کو پڑھنے اور ان سے اپنے مطلوبہ مسئلہ کو سمجھنے کا کام طالبِ علم کو خود ہی انجام دینا ہے۔

مصنوعی ذہانت کے سافٹ وئیر (مثلاً چیٹ جی پی ٹی) کے آنے کے بعد یہ طالبِ علم اگر اس مسئلہ کے بارے میں ڈھونڈے گا تو اس طالبِ علم کو ایک بالکل ہی نیا تجربہ حاصل ہوگا کہ جیسے وہ کسی انسان سے براہ راست بات کر رہا ہے اور وہ انسان اس کی رہنمائی کر رہا ہے۔ جب یہ طالبِ علم اس سے اس مسئلہ کے بارے میں دریافت کرے گا تو مصنوعی ذہانت کے سافٹ وئیر انسانی طرزِ تکلم کے انداز میں اس کے پوچھے گئے سوال کا جواب دے گا اور اس کو اس مسئلہ کا حل بیان کر دے گا۔ بس یہیں پر دھوکہ اور بہت بڑی غلطی ہو رہی ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ عام لوگ اس انسانی طرزِ تکلم سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر علم کا رسوخ نہیں اور مصنوعی ذہانت کے ماہر نہیں تو اس کے جواب سے بھی متاثر ہو جائیں گے، کیونکہ جیسے پہلا بتلایا گیا کہ یہ سافٹ وئیر جواب کے ساتھ عبارتیں اور حوالہ جات بھی مہیا کر دے گا (جو کہ من گھڑت بھی ہوتے ہیں) حالانکہ اس مصنوعی ذہانت کے سافٹ وئیر کے کام کرنے کی ساخت گوگل سرچ انجن کی طرح نہیں ہے بلکہ یہ مصنوعی ذہانت کے سافٹ وئیر خود سے مواد بنا رہے ہوتے ہیں۔ چونکہ ان سافٹ وئیر

کی تربیت نہایت عمدہ طریقے سے بڑے پیمانے پر ہوئی ہوتی ہے تو ان کے جواب سے ان کے "ذہین" ہونے کا تاثر جاتا ہے۔"خود سے مواد" بنانے سے مراد یہ نہیں ہے کہ مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر میں کوئی اشرف المخلوق انسانوں جیسی تخلیقی صلاحیت و ذہانت آ گئی ہے بلکہ مصنوعی ذہانت کے سسٹم، بالخصوص، لارج لینگویج ماڈلز، چونکہ "اگلے ٹوکن کی پیشین گوئی" کی بنیاد پر کام کرتے ہیں یعنی اگلے جملوں کی پیشن گوئی کر رہے ہوتے ہیں۔لہٰذا ان سافٹ ویئر کا کام کرنا قطعی طور پر بھی انسانوں کے سوچنے، سمجھنے اور انسانی ذہانت کے مقابل نہیں ہوسکتا۔پس، اس نکتہ پر جتنا غور کیا جائے گا، اتنا ہی مصنوعی ذہانت سے متعلق ان دعووں کی حقیقت واضح ہوتی چلی جائے گی۔

کوئی یہ بھی اشکال کرسکتا ہے کہ مفتیانِ کرام یا تخصص فی الافتاء کے طلبہ مصنوعی ذہانت سے سوال پوچھ کر دیکھ لینے میں حرج ہی کیا ہے اور ہوسکتا ہے کہ جب وہ جواب دے تو اس سے ہمارے سامنے وہ پہلو بھی سامنے آ جائیں یا صورتِ مسئلہ کی وہ جہتیں بھی واضح ہو جائیں جن کے بارے میں ہم نے فتویٰ لکھتے وقت سوچا نہ ہو۔یعنی آسان الفاظ میں جب نوجوان مفتیانِ کرام فتویٰ لکھتے ہیں تو اکابر، تربیت یافتہ اور تجربہ کار مفتیانِ کرام سے مشورہ کرتے ہیں، مسئلہ کی صورت واضح کرنے کے لیے بحث کرتے ہیں، بعض مرتبہ تنقیح کرتے ہیں، تو کیوں نہ مصنوعی ذہانت کو اس کام کے لیے استعمال کرلیا جائے۔سطحی طور پر تو یہ بات قابلِ فہم لگتی ہے، مگر ایسا کرنا ماہرینِ مصنوعی ذہانت اور کمپیوٹر سائنسدانوں کی آراء کے مطابق درست نہ ہوگا۔غور طلب بات یہ ہے ایسی ہی بات رابن ایمسلی نے کہی ہے جو کہ ساؤتھ افریقہ میں یونیورسٹی آف اسٹیلن بوسچ میں پروفیسر ہیں۔چونکہ پروفیسر رابن نے اپنی زندگی سائنسی تحقیق میں گزار دی ہے، اعلیٰ قسم کے سائنسی جرائد میں تحقیقی مقالے شائع کیے ہیں اور وہ ایک سائنسی جریدے کے ایڈیٹر ان چیف (پرنسپل ایڈیٹر) بھی ہیں تو انہوں سے سوچا کہ کیوں نہ چیٹ جی پی ٹی سے بیماریوں سے متعلق سوال و جواب اور سائنسی تحقیق مقالہ لکھوایا جائے۔آخر میں انہوں نے جو بات کہی وہ سنہری حرفوں میں لکھنے کے قابل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

> "جس طرح میں اپنے کسی ساتھی کو کسی امراضیاتی دروغ گو (یعنی ایسا نفسیاتی مریض جس کو جھوٹ بولنے کا خبط ہو اور جھوٹ کو بصد خلوص سچ سمجھتا ہو) کے ساتھ مل جل کر کام کرنے کی سفارش نہیں کروں گا، اسی طرح میں چیٹ جی پی ٹی کو سائنسی تحریر میں معاون کے طور پر تجویز نہیں کرتا ہوں۔"

مصنوعی ذہانت کے عالمی اور مستند سائنسی ماہرین مصنوعی ذہانت کی خامیاں اور کمزوریاں گنواتے

نہیں تھکتے۔مثلاً یونیورسٹی آف گلاسگو، برطانیہ کے ڈاکٹر جو سلیٹر یہ کہتے ہیں کہ:

"چیٹ جی پی ٹی خود سے مواد بنادیتا ہے جسے لوگ ہیلوسینیشن سے تعبیر کرتے ہیں جبکہ اس کے لیے یہ اصطلاح استعمال کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ اس کے لیے جو درست اصطلاح ہوگی وہ فضول، لغو یا بکواس کہا جائے اور اسے وہ "فضول،لغو یا بکواس مشینوں" سے تعبیر کرتے ہیں"۔

مصنوعی ذہانت کی تکنیکی اساس اور بنیادیں رکھنے والے سائنسدانوں میں پروفیسر یان لی کن شامل ہیں۔ یہ پروفیسران کمپیوٹر سائنسدانوں میں شامل ہیں جن کے سائنسی تحقیقی کاموں کی بدولت انہیں" بابائے مصنوعی ذہانت" بھی کہا جاتا ہے۔ انہیں کمپیوٹر سائنس کی دنیا کا سب سے بڑا ایوارڈ یعنی ٹیورنگ ایوارڈ سن ۲۰۱۸ میں دیا گیا۔ ٹیورنگ ایوارڈ کو کمپیوٹر سائنس کا نوبل پرائز بھی کہا جاتا ہے۔ پروفیسر یان لی کن فرانسیسی نژاد امریکی کمپیوٹر سائنسدان ہیں اور نیو یارک یونیورسٹی، امریکہ میں اپنی خدمات انجام دیتے آئے ہیں۔ یہ میٹا کمپنی (فیس بک کا نیا نام) میں چیف آے آئی سائنٹسٹ ہیں۔ پروفیسر یان لی کن یہ سمجھتے ہیں کہ موجودہ مصنوعی ذہانت کسی بھی معنی میں ذہین نہیں ہے (حوالہ: وال اسٹریٹ جرنل)

پروفیسر یان لی کن کہتے ہیں کہ:

"گھریلو پالتو بلی کے اندر جو صلاحیت، صفات، اور ذہانت پائی جاتی ہے مثلاً کہ وہ اپنے دماغ میں حقیقی دنیا کا ایک ماڈل بناتی ہے، اس کی قائم رہنے والی یاداشت، اس کی استدلال کی صلاحیت، اور منصوبہ بندی کی استعداد، یہ سب چیزیں مروجہ مصنوعی ذہانت کے ماڈلز میں نہیں پائی جاتیں حتیٰ کہ "میٹا" کمپنی کے اپنے بنائے گئے ماڈلز میں بھی نہیں"۔

کمپیوٹر سائنس کے ماہرین کو مصنوعی ذہانت کی خامیوں اور حدود و قیود کا بخوبی علم ہے۔مصنوعی ذہانت کے عالمی ماہرین، سائنسدان و محققین جانتے ہیں کہ مصنوعی ذہانت میں حقیقی طور پر کتنی "ذہانت" موجود ہے لہذا سنجیدہ عالمی مستند سائنسدان مصنوعی ذہانت سے متعلق بہت ہی واضح موقف رکھتے ہیں۔مسئلہ جب سے شروع ہوا ہے کہ جب عالمی سرمایہ کاروں نے اپنی ٹیکنالوجیکل کمپنیوں کے ذریعے اپنے سرمائے کا بڑھانے کے لیے مصنوعی ذہانت کے غبارے میں بے تحاشہ ہوا بھری ہے اور عالمی ریگولیٹری اداروں اور حکومتوں پر اثر انداز ہو کر اس کو وسیع پیمانے پر رائج کرنے کی کوششیں شروع کر چکے ہیں۔عالمی سرمایہ کاروں، حکومتوں اور ٹیکنالوجیکل کمپنیوں کی اتنی وسیع سرمایہ کاری کی وجہ سے ہر طرف مصنوعی ذہانت کے چرچے ہیں اور عوام الناس کے سامنے سے مخلص و مستند عالمی سائنسدانوں و محققین کی سائنسی تحقیقات اور مصنوعی ذہانت کی خامیاں اور حدود و قیود او جھل ہوتی جارہی ہیں۔خلاصۂ کلام یہ کہ مصنوعی ذہانت کی رسی اب عالمی معیشت پر

کنٹرول کرنے والوں کے ہاتھ میں ہےاور وہی اس وسیع وعریض پروپیگنڈے کے پیچھے کارفرما ہیں۔

اس سے اندازہ لگائیے کہ بعض صاحبانِ علم کس پروپیگنڈہ سے متاثر ہیں۔مصنوعی ذہانت کے عالمی ماہرین،سائنسدان اور محققین مصنوعی ذہانت کو"فضول،لغو یا بکواس مشینوں" سے تعبیر کرتے ہیں اور جو اس سے کمانے والے لوگ ہیں وہ اس کو بڑھا چڑھا کر پیش کررہے ہیں کہ آئندہ زمانہ مصنوعی ذہانت کا ہوگا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اہلِ علم کو کن سے متاثر ہونا چاہیے؟ مصنوعی ذہانت سے کمانے والوں کے پروپیگنڈہ سے یا مصنوعی ذہانت کی ایجاد کرنے والے سائنسدان اور محققین کی باتوں سے؟ اہلِ علم حضرات کے نزدیک کس کی بات کی اہمیت ہوگی یہ صاحبانِ علم خود فیصلہ فرمالیں۔

پھر ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا مفتیانِ کرام کے جاری کیے گئے فتاویٰ جن پر عمل کرنے اور نہ کرنے سے ہمیشہ ہمیشہ کی آخرت کی زندگی کا مدار ہے (اور اس دنیاوی زندگی کا بھی مدار ہے مثلاً غلط جواب دینے کی صورت میں کسی وارث کا حق محروم ہوسکتا ہے)،اُس کے لیے ہم ایسی"فضول،لغو یا بکواس مشینوں" پر اعتماد کرسکتے ہیں؟ اور کیا ہم اپنی آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کو داؤ پر لگا سکتے ہیں؟ نیز آخرت میں ان مصنوعی ذہانت کی حامل مشینوں سے اللہ رب العزت کی طرف سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی اور نہ ہی دنیاوی قوانین کے تحت یہ مصنوعی ذہانت کی مشینیں جوابدہ ہیں۔

اب ہم کچھ حوالہ جات پیش کرتے ہیں جن کو پڑھ کر واضح ہوتا ہے کہ کس طریقے سے مصنوعی ذہانت کو بطور معاون استعمال کرنے کی راہ ہموار کی جاری ہے۔ برطانوی اخبار فنانشل ٹائمز ایران کے شہر قُم سے تعلق رکھنے والے ایک ادارے جو کہ ٹیکنالوجی بزنس کی حوصلہ افزائی کرتی ہے کہتے ہیں کہ:

> "روبوٹس سینئر علمائے کرام کی جگہ نہیں لے سکتے،لیکن وہ ایک قابل اعتماد معاون بن سکتے ہیں جو کہ پچاس دنوں کے بجائے پانچ گھنٹوں میں فتویٰ جاری کرنے میں ان سینئر علمائے کرام کی مدد کرسکتے ہیں"۔

اسی رپورٹ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ جو بوڑھے علمائے کرام ہیں اور جن کی عمریں اَسّی اور سو سال کے درمیان ہیں ان سے تو ہم امید نہیں کرتے کہ وہ فتویٰ نویسی میں اپنا طریقۂ کار تبدیل کریں گے مگر جو نوجوان علمائے کرام ہیں وہ ٹیکنالوجی کو اپنانے میں کھلے ہیں۔ دراصل زیادہ تر علمائے کرام روایتی طریقۂ کار کو اپناتے ہوئے سخت محنت کرتے ہیں تاکہ طویل طویل تحریروں اور کُتب کو دیکھیں اور پھر اس سے اسلامی احکام نکالیں اور پھر موجودہ زندگی میں اس کا اطلاق کریں۔ ان حضرات کے بقول مصنوعی ذہانت سے بہت زیادہ اسلامی مواد کو پڑھ کر فتویٰ نکالا جاسکتا ہے۔

سوشل میڈیا پر ایک مضمون بعنوان "مصنوعی ذہانت بطور اسلامک مفتی" (حوالہ: لنکڈ ان) موجود ہے جس کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"زمانے میں ترقی کی وجہ سے نت نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان مسائل کا شرعی احکامات کی روشنی میں حکم جاننا انتہائی ضروری ہے۔ اس کے لیے مسلمان عوام شرعی امور کے ماہر مفتیان کرام سے رجوع کرتے ہیں تاکہ ان مسائل کا شرعی حکم جان کر ان پر عمل کر سکیں۔ چونکہ پیش آئندہ مسائل بہت ہیں۔ لہٰذا سوالات کی اس ڈیمانڈ کی وجہ سے مفتیانِ کرام کے جواب دینے کی صلاحیت میں کمی پیدا کر دی ہے۔ آسان الفاظ میں معاشرے کی ضرورتوں کو پورا کرنے سے مفتیانِ کرام قاصر ہیں یعنی معاشرے کو مفتیانِ کرام کی ایک معتد بہ تعداد میسر نہیں۔ اس طلب و رسد کے مسئلے کی وجہ سے مصنوعی ذہانت کا فتویٰ نویسی میں استعمال کا دروازہ کھل رہا ہے۔ نیز خود ساختہ مفتیانِ کرام کا بھی وجود ہے جو کہ اپنے ناموں کے ساتھ "مفتی" کا لقب لگاتے ہیں، مگر نہ ہی انہوں نے کسی مستند دارالافتاء سے تخصص کیا ہے اور نہ ہی کسی نامور عالم کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کیا، لہٰذا ایک ایسا مصنوعی ذہانت پر قائم نظام ہونا چاہیے جو کہ اعلیٰ معیار کے فتویٰ جاری کر سکے"۔

"اس مصنوعی ذہانت کے نظام کے کام کرنے کے دو طریقۂ کار ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ یہ تخمینہ (پیشین گوئی) کی بنیاد پر فتویٰ جاری کرے یعنی اس کے لیے پہلے سے جاری کیے گئے تمام فتاویٰ کے پیٹرن اور رجحانات کا تجزیہ کرتے ہوئے اُن فتاویٰ کی درجہ بندی کرے اور نتائج اخذ کرے اور ان اخذ کردہ نتائج کی بنیاد پر مصنوعی ذہانت (کمپیوٹر یا مشین) نئے فتاویٰ کی پیشین گوئی کرے۔ دوم یہ کہ نئے سرے سے مشین مصنوعی ذہانت کے الگورتھم کو استعمال کر کے فتویٰ جاری کرنے کا عمل سیکھے یعنی قرآن سے براہ راست استفادہ کر کے فتویٰ جاری کرے۔"

"مصنوعی ذہانت کے اندر یہ صلاحیت ہے کہ وہ فتویٰ جاری کرنے کا ایک زبردست آلہ بنے اور مذہبی دینی مواد کی تشریح کرے، مگر ابھی بہت مصنوعی ذہانت کے الگورتھمز کی صحیح مواد کی بنا پر تربیت کے حوالے سے بہت کام کرنے کی ضرورت ہے"۔

"مصنوعی ذہانت کے الگورتھمز یعنی کمپیوٹر (مشین) کی پہلے سے مہیا کیے گئے مواد کی بنیاد پر تربیت کی جاتی ہے۔ اب چونکہ انگریزی زبان کے مقابلے میں عربی زبان میں فتاویٰ اور دینی علوم کا اتنا مواد موجود نہیں، نیز مصنوعی ذہانت کے الگورتھمز کی چونکہ بہت زیادہ انگریزی زبان

میں تربیت ہوئی ہے اور وہ اسی میں زیادہ مہارت رکھتے ہیں، لہٰذا یہ بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ نیز دوسرا مسئلہ جانبدارانہ رائے کا ہے جو کہ انسانوں میں پائی جاتی ہے۔ چونکہ انسان عمومی طور پر دلائل کی بنیاد پر اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق ایک رائے رکھتے ہیں، اور جب یہی صلاحیت مصنوعی ذہانت کے ذریعے کمپیوٹر میں منتقل ہوگئی تو لامحالہ مشین (کمپیوٹر) بھی کسی مسئلے کے بارے میں جانبدارنہ رائے رکھ سکتا ہے۔ یہ وہ کچھ مسائل ہیں جن کی وجہ سے ایک قابلِ بھروسہ مصنوعی ذہانت والا فتویٰ نویسی کا سسٹم بنانے میں دشواریاں پیش آرہی ہیں"۔

اسی مضمون یعنی "مصنوعی ذہانت بطور اسلامک مفتی" میں مفتیانِ کرام پر بھی بے جا تنقید کی گئی ہے۔ (حوالہ: لنکڈ ان)

"حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے وصال کے بعد حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نے سب سے پہلے مفتی کے فرائض منصبی ادا کئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کے وصال کے بعد یہ ذمہ داری علمائے کرام کی طرف چلی گئی اور انہوں نے ایک پورا شعبہ "آداب المفتی" قائم فرمایا جس کا مقصد اعلیٰ معیار کے مفتیانِ کرام اور فتاویٰ جاری کرنا تھا۔ تاہم آج کل یہ سخت قوانین اور ضابطے ڈھیلے پڑ گئے ہیں اور آج کل کے مفتیانِ کرام بنیادی طور پر اجماع پر انحصار کرتے ہیں جو کہ مفتیانِ کرام کو آزادانہ استدلال کرنے سے محدود کرتا ہے، جس کی وجہ سے صفر ذہانت کے فتاویٰ جاری ہوتے ہیں۔"

برطانوی ہائی کورٹ نے کے سینئر جج نے کہا ہے کہ ایسے وکلا کے خلاف مقدمہ چلایا جاسکتا ہے جنہوں نے مقدمات کی پیروی کے دوران ایسا جھوٹا مواد پیش کیا جسے مصنوعی ذہانت نے سافٹ ویئرز نے گھڑا ہو۔ (حوالہ: نیویارک ٹائمز، آٹھ جون ۲۰۲۵)

برطانوی ہائی کورٹ کے جج کو یہ اس وجہ سے کہنا پڑا کیونکہ ایسا کئی دفعہ ہوا کہ وکیلوں کی جانب سے ایسے کئی کیسوں اور فیصلوں کا حوالہ دیا گیا جو کہ کبھی موجود ہی نہیں تھے اور یہ سارا مواد مصنوعی ذہانت نے گھڑا تھا۔ ججز کی فیصلے میں مزید کہا گیا کہ مصنوعی ذہانت کے ٹولز مثلاً چیٹ جی پی ٹی قابلِ اعتماد قانونی تحقیقی کام کرنے کے قابل نہیں ہیں اور مصنوعی ذہانت کے بظاہر مربوط اور قابلِ فہم جوابات مکمل طور پر غلط ثابت ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ مصنوعی ذہانت کے جوابات ایسے پُراعتماد دعوے کر سکتے ہیں جو کہ غلط ہوں اور وہ ایسے حوالہ جات دے سکتے ہیں جو کہ موجود ہی نہ ہوں۔

قارئین غور فرمائیں کہ جب برطانوی ہائی کورٹس میں مقدمات کے اندر مصنوعی ذہانت سے تیار کئے گئے مواد کو قانونی تحقیقی کام میں معاونت کے اندر اگر وکلاء استعمال کریں تو سینئر برطانوی ہائی کورٹ جج ان وکلاء کے خلاف مقدمہ چلایا جائے گا تو پھر فتویٰ نویسی جیسے اہم موضوع، جس پر آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کا دارومدار ہے، کے اندر کیسے استعمال کیا جاسکتا ہے؟ اس میں کوئی دورائے نہیں کہ مصنوعی ذہانت جدید سائنسی مسائل میں فنی تحقیقات اور ماہرین کی آراء کا متبادل نہیں ہوسکتی۔ اگر کوئی یہ سوچ رکھتا ہے کہ اب مصنوعی ذہانت سرجن، وکیل، پروفیسر، جج، فوجی جرنل، یا کسی دوسرے شعبے کو ختم کرکے اس کے متبادل کام کرے گی تو یہ محض خام خیالی ہے اور خود کو دھوکہ دینے والی بات ہے۔

مصنوعی ذہانت کو فتویٰ جاری کرنے کے قابل سمجھنا درست نہ ہوگا اور اس کی ایک وجہ مصنوعی ذہانت میں موجود خامیاں ہیں۔ بعض صاحبانِ علم نے مصنوعی ذہانت کے فتویٰ نویسی میں استعمال کے کئی نقصانات گنوائے ہیں۔ (حوالہ: زبیر پٹیل، وائٹ تھریڈ)

دیگر محققین یہ بتاتے ہیں کہ خاص طور پر جو لوگ آن لائن فتویٰ ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں ان کے لیے کئی رکاوٹیں پیش آسکتی ہیں۔ (حوالہ: ڈاکٹر احمد بن عبدالعزیز، کردش اسٹڈیز)

نیز مصنوعی ذہانت سے جاری کیے گئے فتویٰ کو امتِ مسلمہ کسی صورت قبول نہیں کرے گی۔ کسی بھی معاملے یا شئی کی حلت وحرمت کے بارے میں حضرات مفتیانِ کرام احکامِ شریعت کی روشنی میں حکم بتاتے ہیں اور یہ بہت ذمہ داری کا کام ہے جو کہ ہرگز مصنوعی ذہانت کی ان مشینوں کے سپرد نہیں کیا جاسکتا۔ خلاصہ یہ کہ مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر قطعی طور پر بھی مفتیانِ کرام کے متبادل نہیں ہوسکتے۔ فتویٰ جاری کرنا انسانوں کا کام ہے اور یہ کام مشین قطعی طور پر انجام نہیں دے سکتی۔ نیز مصنوعی ذہانت کو بطور معاون فتویٰ نویسی کے ہرگز ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔ نیز مصنوعی ذہانت جدید سائنسی مسائل میں فنی تحقیقات اور ماہرین کی آراء کا متبادل نہیں ہوسکتی اور بطور معاون فتویٰ نویسی میں مدد بھی فراہم نہیں کرسکتی۔

لہٰذا تخصص کے طلباء اور نوجوان مفتیانِ کرام اپنے فتویٰ میں مصنوعی ذہانت سے حاصل کی گئی معلومات پر ہرگز انحصار نہ کرنا چاہیے۔

......◆......

جامعہ کی سرگرمیاں

ادارہ

رواں سال کا آخری ماہانہ امتحان اختتام پذیر

طلبہ کی تعلیمی ترقی اوران کی استعداد کی افزودگی کے لیے جامعہ میں کئی ماہانہ امتحان ہوتے ہیں، جن کے ذریعے طلبہ کو بہترین مستقبل کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔رواں تعلیمی سال کا آخری ماہانہ امتحان 18 تاریخ کو انعقاد پذیر ہوا۔ ممتحنین نے جامع اور ہمہ پہلو امتحان لے کر انتظامیہ کو اپنے تاثرات لکھ کر دیے۔ پوزیشن لانے والوں کے نام درج ذیل ہیں:

اعدادیہ: سید عمر فاروق سہارنپور 64 ج اوّل پوزیشن، محمد رُمان پورنیہ 63 ج دوم پوزیشن، محمد کیف دہلی 55 ج سوم پوزیشن۔ **سالِ اوّل:** محمد سہارنپور 106 ق اوّل پوزیشن، محمد سعد پرتاپ گڑھ 112 ج دوم پوزیشن، محمد معاذ سہارنپور 116 ج دوم پوزیشن، سید طٰہٰ لکھنؤ 119 ج سوم پوزیشن۔ **سالِ دوم:** محمد ارشد بھاگلپور 203 ق، اوّل پوزیشن، تابش ریحان مئو 211 ج دوم پوزیشن، محمد خالد سہارنپور 207 ج سوم پوزیشن۔ **سالِ سوم:** رئیس احمد ڈار کشمیر 328 ج اوّل پوزیشن، محمد عثمان پرتاپ گڑھ 312 ج دوم پوزیشن، محمد گل نواز جھارکھنڈ 308 ج سوم پوزیشن

امتحان سالانہ کا اعلان

سال کا سب سے بڑا امتحان یعنی سالانہ امتحان کا اعلان بھی جامعہ کے انتظامیہ نے کر دیا۔ اعلان کی عبارت یہ ہے: (۱) امتحانِ سالانہ ۲رشعبان المعظم ۱۴۴۷ھ سے ۱۶رشعبان المعظم ۱۴۴۷ھ تک ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ (۲) عربی درجات میں ۲۵رجب المرجب ۱۴۴۷ھ تک تعلیم ہوگی، جب کہ درجۂ ناظرہ و حفظ کی تعلیم ۱۲رشعبان المعظم ۱۴۴۷ھ تک ہوگی۔ (۳) تعطیلِ سالانہ ۱۷رشعبان المعظم ۱۴۴۷ھ سے شروع ہوگی؛ اس لیے تمام طلبۂ عزیز خوب سوچ سمجھ کر اپنا ٹکٹ قمری تاریخوں کے اعتبار سے ہی بنائیں۔ (۴) امتحانِ شش ماہی ۱۴۴۷ھ کا ضمنی امتحان ۲۷ / ۲۸ رجب المرجب ۱۴۴۷ھ میں منعقد

ہوگا۔(۵)امتحانِ سالانہ میں شرکت کے لیے 75٪ فی صد حاضری ہونا ضروری ہے۔اُس کے بغیر امتحان میں شرکت کی اجازت نہیں ہوگی اور اِس سلسلے میں کوئی بھی رعایت نہیں دی جائے گی، نیز کوئی بھی سفارش قابلِ قبول نہیں ہوگی۔

نوٹ: اِس اعلان کے بعد کسی بھی قسم کی رخصت کی درخواست دفتر تعلیمات میں بالکل بھی پیش نہ کریں، بل کہ غیر تعلیمی مصروفیات ترک کرکے امتحان کی تیاریوں میں مشغول ہوجائیں تاکہ امتحان میں اعلیٰ نمبرات سے کام یابی حاصل کرسکیں۔

طلبہ کے درمیان لحاف، گدوں اور گرم کپڑوں کی تقسیم

جامعہ اپنے طلبہ کی سہولیات کے لیے ہمیشہ فکرمند رہا ہے۔حسب سابق موسم سرما کی آمد کے پیش نظر طالبان علوم دینیہ کے درمیان لحاف، گدے، جیکٹ وغیرہ تقسیم کیے گئے۔گرم کپڑے تقسیم کرتے ہوئے جامعہ کے استاذ حدیث مولانا ابوطلحہ اعظمی نے کہا کہ خدمت خلق بھی اسلام کے پسندیدہ اعمال میں سے ہے۔

''انوارالودود''اور ماہ نامہ ''محدث عصر'' کے خصوصی شمارے کا اجرا

دارالعلوم وقف دیوبند میں منعقدہ سیمینار کے موقع پر جامعہ امام محمد انور شاہ نے بھی سیمینار کے مقالہ نگاروں کی دعوت کی، جس کی تفصیل عصریات میں ملاحظہ کرچکے ہیں۔مہمانوں کے ہاتھوں ماہ نامہ ''محدث عصر'' کے خصوصی شمارے، ''انوارالودود'' اور ''اقوال امام العصر'' کا اجرا بھی عمل میں آیا۔''نقش دوام'' کی نئی اشاعت بھی پیش کی گئی۔''اقوال امام العصر'' ملفوظات محدث کشمیری کی تعریب ہے۔

واردین وصادرین

سیمینار کے مقالہ نگاروں کی آمد پر جامعہ نے ان کا خیر مقدم کیا۔تشریف لانے والوں میں ملک کی چوٹی کی شخصیات بھی تھیں۔مولانا محمد سفیان قاسمی، مولانا انیس الرحمن قاسمی، مولانا عتیق احمد بستوی، مولانا ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا سلمان بجنوری، مولانا ڈاکٹر مظفر صاحبان، مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی، مولانا یاسر ندیم الواجدی، جناب محترم سلمان غازی، جناب ڈاکٹر نسیم رفیع آبادی، جناب مولانا مفتی مظفر صاحب کشمیری، جناب مولانا اقبال صاحب کشمیری، نیز تقریباً تین سو علماء کرام نے اس تقریب اجراء میں شرکت فرمائی۔ان شخصیات نے جامعہ کی ترقی اور تعلیم وتربیت میں اس کی تیز گامی کی ستائش کی اور اس کی مزید ترقیات کے لیے دعائیں بھی کیں۔اس موقع پر تمام مہمانوں کو عشائیہ پر مدعو کیا گیا۔

Monthly MUHADDIS-E-ASR Deoband
RNI UPURD/2000/10663(83220)
Contact Mob:+91-9557051315 jimask98@gmail.com
Printed, Published & Edited By Syed Ahmad Khizar Shah
on Behalf of JIMAS, Behind Eidgah, Deoband. Saharanpur (U.P.)
Printed At Mukhtar Press Samreen Printers, Deoband

Jan 2026



جامعہ کی مرکزی عمارت ''انور ہال'' اور مسجد انور شاہ پر مشتمل شاندار منظر



جامعہ میں زیر تعمیر جدید دارالاقامہ کا مجوزہ نقشہ



دارالاقامہ کا بیرونی منظر



مسجد انور شاہ

Jamia Imam Mohammad Anwar Shah
A/C No.: 50100420638245
IFSC : HDFC0001974
BRANCH: HDFC DEOBAND